اے۔ بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر : سمیع الحق

فون نمبر دارالعلوم : ۴

فون نمبر رہائش :

ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ
جنوری ۱۹۸۳ء

جلد نمبر ۱۸
شمارہ نمبر ۴

اس شمارے میں

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ /۳۰ روپے فی پرچہ /۳ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز ــــــــــ "روسی ثقافتی طائفہ"

ان دنوں ملک میں ایک روسی ثقافتی طائفے کا چرچا ہے کراچی سے راولپنڈی تک اس کی زد میں ہے اور طائفہ کی حیا باختہ خواتین ثقافت اور فن کے نام پر نیم عریاں رقص و سرود اور تھرکتے جسموں سے فنی کرتبوں کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ فحاشی، بے حیائی اور اخلاق باختگی کا کون سا نمونہ ہے جو ایسے مظاہروں میں نہیں ہوتا ایک مسلمان قوم کے ہاں کسی بھی دور حکومت میں خدا کے غضب کو للکارنے والے ایسے منکرات اور تبرج جاہلیہ کی ہرگز ہرگز گنجائش نہیں ہوتی کجا کہ ایک ایسے دور حکومت میں جو شب و روز اسلام اور نفاذ اسلام کی طرف پیش رفت کا ورد کر رہی ہے اور اس سمت میں کچھ نیم دلانہ قدم بھی اٹھا رہی ہے کوئی بھی باضمیر اور دینی درد سے سرشار شخص نہ تو ایسے امور کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے نہ اظہار حق اور کلمہ نصح و خیر خواہی سے سکوت مجرمانہ کا اسلام روادار ہے اسلام ایک جامع ہمہ گیر موثر اور بھرپور انقلاب ہے اس سمت میں بیک وقت متضاد اور متصادم اقدامات سے ہم ہرگز منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ گاڑی ایک ہی سمت پر سفر جاری کر سکتی ہے۔ بیک وقت ہم مدینہ منورہ اور ترکستان نہیں پہنچ سکتے۔ فن و ثقافت کے نام پر بے پردگی اور فحاشی کا یہ بازار پچھلے دور حکومت میں خوب سجا تھا لیکن نتیجہ سامنے آیا۔ طاؤس و رباب اور حدود اللہ کو پامال کرنے والی لہو و لعب اور سیر و تفریح کا انجام بالآخر زوال اور تباہی ہوتی ہے۔ اشاعت فاحشہ کو آپ جو بھی نام دیں مگر زہر تریاق کہلانے سے اپنی خاصیت نہیں کھو سکتا اور اشاعت فاحشہ پر قرآن نے عذاب عظیم کی "بشارت" دی ہے۔ ہونا تو یہ کہ اسلام کی سمت انقلابی اقدامات کے ساتھ ساتھ پوری قوم ذہنی و فکری اور عملی میدانوں میں بھی اسلامی فضا میں رچ بس چکی ہوتی تب ہی انقلاب کا دور دورہ ہوتا مگر افسوس کہ اس وقت پوری قوم ثقافت و فن کے ان شرمناک سرگرمیوں کے ساتھ کھیل کود اور لہو و لعب کے طوفانوں میں ڈوبتی جا رہی ہے۔ کرکٹ کا آکاش بیل پوری پاکستانی ملت کو مفلوج کرتا چلا جا رہا ہے جب کہ دشمن اپنی طاقت منظم کر رہا ہے اور سرخ سامراج کا سیلاب دروازوں سے ٹکرا رہا ہے اور ہم اسی سرخ استعمار کے سرخ و سفید ثقافتی طائفوں یا "طوائفوں" سے لطف اندوز ہو رہے ہیں جن کے ہاتھ ملت اسلامیہ افغانستان کے خون سے سرخ ہیں ایسے حالات میں یہ ثقافتی طائفہ ثقافت کا مظاہرہ نہیں بلکہ مجبور و مقہور مسلمانان افغانستان اور بے گور و کفن شہدائے جہاد پر خندہ استہزا اڑا رہا ہے۔

ہمیں اپنے محترم صدر پاکستان سے بہت کچھ کہنا ہے مگر آج کی فرصت میں صرف اتنی گذارش کریں گے کہ اسلام بذات خود ایک عظیم انقلاب ہے اس کے لئے بہت سی قربانیوں اور بڑی جرأت مومنانہ درکار ہے۔ یہ راہ لوگوں کے مزاج، نام اور رخ اور فضا کو دیکھ دیکھ کر اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے سے ہرگز طے نہیں ہو سکتا بلکہ صرف اور صرف خدائے جبار و قہار کے احکام و مرضیات کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ حضرت عائشہ ام المومنینؓ نے امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو ان کے عہد حکمرانی میں انہی کی خواہش پر ایک جامع نصیحت لکھی تھی۔ جناب صدر کے لئے اس مختصر اور مختصر جملہ میں بہت کچھ سامان نصیحت موجود ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مسلمانوں کے حکمران حضرت معاویہؓ کو لکھا:

سلام علیک اما بعد فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من التمس رضی اللہ بسخط الناس کفاہ اللہ مؤنۃ الناس و من التمس رضی الناس بسخط اللہ وکلہ اللہ الی الناس — والسلام علیک

ترجمہ: میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کا خیال کئے بغیر اللہ کی رضا چاہے گا لوگوں کی گرفت سے خدا اسے محفوظ رکھے گا اور جو لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ کی ناراضگی مول لے گا تو اللہ اس کا معاملہ عوام ہی کے سپرد کر دے گا۔

ـــــ الحق

ازافادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ — ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

عالم کیلئے عالم کی اہمیت

۹ رجنوری کو دارالحدیث ہال میں دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم صاحب فاضل دیوبند کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی اجتماع ہوا جس میں کئی اساتذہ اور طلباء نے مرحوم کے صفات و کمالات پر خطاب کیا۔ اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا خطاب پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موت العالم موت العالم (او کما قال علیہ السلام)
میرے بھائیو اور بزرگو! جس عظیم صدمہ نے آپ اور ہمیں یہاں جمع کر رکھا ہے۔ واقعی اس کی گہرائی تک پہنچنا مشکل ہے۔ نسبی والد کی جدائی اولاد کے لئے کتنی مشکل ہوتی ہے۔ نسبی باپ؟

روحانی مربی اور استاد کے حقوق | تو استاد بطور خاص طور سے تفاسیر و احادیث کا استاذ، فقہ اور اصول فقہ کا معلم، تو روحانی والد ہوتا ہے۔ روح کی تربیت، روح کا تزکیہ تو علم دین ہی سے ہوتا ہے۔ اور علم دین ہمیں اساتذہ اور علماء بتلاتے ہیں۔ جسمانی اور نسبی والد جو ہم سب کا ہوتا ہے۔ اس نے ہماری نشوونما کی ہے۔ تربیت کی ہے۔ مگر جسم کی ہڈی اور گوشت کی نشوونمائی ہے۔ روٹی کا فکر کیا ہے۔ کپڑے کا فکر کیا ہے۔ مگر عالم اور استاذ ہمیں کفر سے ایمان کی طرف لایا۔ اس نے ہمیں توحید سکھائی۔ اس نے ہمیں رسالت کا مقام سکھایا۔ اس نے ہمارا عقیدہ درست کیا اس کی وجہ سے ہم اخلاق فاضلہ عقائد صحیحہ کا مجموعہ بنے۔ تو یہ برکت اس استاذ اور عالم کی ہے کہ اس نے یہ تربیت دی۔ تو وہ روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی۔ اور جیسے روح لطیف ہے اور جسم اس کے مقابلہ میں کثیف تو دونوں میں جو نسبت ہے وہی نسبت ان دونوں کے حقوق کی ہے۔ کثیف جسم کے مربی (والد) کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان اشکر لی و لوالدیک۔ تو جو روحانی تربیت کرتا ہے اس کا کتنا بڑا حق ہوگا؟ اس کی ہمارے ساتھ کتنی شفقت ہوگی اور کتنا احترام اس کا ہمارے قلب میں ہونا چاہئے؟ تو بھائیو! آج اس احاطہ دارالعلوم میں شامل تمام افراد بلکہ سارے صوبہ اور پاکستان کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا صدمہ ہے موت العالم موت العالم۔

عالم سارے انسانوں کا خیر خواہ | اور دنیا میں ایک شخص صرف اپنی جان کی پرورش کرتا ہے۔ کہ اس کی خوراک رہائش لباس اچھا ہو۔ صرف اپنی فکر ہے دنیا سے اور کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ایک انسان وہ ہے جو اپنے کنبہ کی پرورش کرتا ہے۔ اسے پڑھاتا ہے۔ اپنی فکر بھی ہے مگر کنبے کا بھی پاس ہے۔ بھائی بندی کا فکر ہے خویش و اقارب کا بھی فکر ہے مگر اوروں کا نہیں۔ اور ایک انسان وہ ہے جو ساری دنیا کل عالم کا خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ ہمارا یہ مختصر سا حلقہ دیکھئے۔ اس میں بلوچستانی بھی ہے۔ افغانستانی بھی۔ سرحدی بھی ہے اور پنجاب و سندھ کے قبائلی بھی ہیں۔ تو عالم اور استاذ اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا کہ صرف اپنی ذات کی نشوونما کرے۔ عالم کنبہ پرور نہیں ہوتا عالم حضورؐ کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے۔

حضورؐ کی شانِ رحمت | اور جیسے حضورِ اقدس، رحمۃٌ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں اور ساری مخلوق کے لئے باعث رحمت، وخیر ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد میں دانت مبارک شہید کر دیے گئے۔ جسم مبارک زخمی ہوا تو اس مربیِّ عالم اور روحانی والد نے فرمایا

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ جانتے نہیں۔ اور ایسا وقت بھی آیا کہ حضورؐ نے دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ میں بھی انسان اور بشر ہوں اگر بمقتضائے بشریت غصہ کی کوئی بات کسی کے بارہ میں میرے منہ سے نکل گئی ہو یا کسی کو بد دعا کی ہو تو وہ بھی اس کے حق میں نیک دعا بنا دے۔ کبھی انہوں نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مکہ معظمہ فتح ہوا تو سارے کافر جمع ہیں۔ ہر ایک کا یقین ہے کہ اب تو حضورؐ گردن کاٹ دینے کا حکم دیں گے۔ حضورؐ کے سامنے سب سرنگوں کھڑے ہیں ۲۱ سال کے مظالم کا فروں کے سامنے ہیں۔ اور نادم و شرمندہ ہیں۔ تو حضورِ اقدسؐ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کہ میرے متعلق آج کیا خیال ہے؟ کہا حضورؐ آپ ہمارے بھائی ہیں، بہت اچھے بھائی اور مہربان بھائی۔ ہم نے بہت زیادتی کی ہے مگر توقع آپ سے بھلائی کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ انتم الطلقاء۔ جائیے سب آزاد ہو جو چاہے جو مرضی ہو کرو۔

حضورؐ نے فتح مکہ کے موقع پر کسی کو جبراً مسلمان بھی نہیں کیا۔ یہ بھی حکم نہیں دیا کہ مسلمان ہونا پڑے گا۔ بلکہ فرمایا جو چاہو کرو۔ آج میں حضرت یوسفؑ عزیز مصر کی طرح معاملہ کروں گا کہ جن کے ہاتھ میں اختیار تھا۔ مگر بھائیوں سے فرمایا۔ لاتثریب علیکم الیوم۔ میں ملامت بھی نہیں کرتا گلہ شکوہ بھی نہیں کروں گا۔ کہ مجھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ باپ سے جدا کر دیا۔ غلام بنا دیا۔ تو فرمایاؐ۔ کہ میں آج تم سے تمہارے ماضی کے مظالم کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔

الغرض عالم تو ایسے مشفق سراپا رحمت نبی کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے ـــــ العلماء ورثۃ الانبیاء ـــــ اور جیسے انبیاء کرام سب کے لئے رحمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نائب عالم بھی صرف اپنے پیٹ اور اپنے کنبے کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے ساری امت برابر ہوتی ہے۔ کل عالم کل افراد انسانی کو جنت لے جانے کی سعی اور

کوشش ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے چونکہ عالم سارے عالم کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے عالم
خصوصاً مدرس عالم جو بھلائی پھیلا رہا ہے کے لئے ساری مخلوق، دریا کی مچھلیاں۔ اور حشرات الارض۔ کیڑے
مکوڑے اور چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ اس کی عمر بڑھا وے۔ اس کی عمر میں برکت دے۔ کہ انہیں
اندازہ ہے کہ عالم کا وجود ان سب کی بقا کا ذریعہ ہیں۔

علم دین بقا عالم کا ذریعہ

عالم ہوگا تو دین بھی ہوگا۔ علم دین ہوگا تو دیندار بھی ہوں گے۔ دیندار ہوں گے تو
کام بھی وہ دین ہی کا کریں گے۔ وہ ذکر الٰہی۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ خواہ عملاً ہوتا قولاً کرتے رہیں گے۔ مسلم شریف میں آتا
ہے کہ جیسا اس انسانی بدن کے لئے روح اس کی حیات و حرکت کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح عرش سے فرش تک کل
عالم کا نظام بھی ایک مرکز سے وابستہ ہے۔ وہ مرکز کیا ہے؟ ذکر الٰہی اور دین۔ تو جب تک ذکر الٰہی اس روئے زمین
پر جاری رہے گا تو یہ عالم بھی باقی ہوگا۔ یہ آسمان۔ یہ زمین۔ یہ دریا یہ بحر و بر بھی ہوگا۔ یہ غلہ اور اناج بھی ہوگا۔ کہ یہ
سب خادم ہیں اور مخدوم ہو تو خادم بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ تو کُل عالم کی بقا۔ ذکر کی برکت سے ہے اور ذکر اس
وقت تک ہوگا جب تک ذکر بتانے والے ہوں گے۔ علما ہوں گے۔ تو مچھلیوں اور حشرات کی علماء کے لئے یہ دعائیں
حقیقت میں اپنے لئے ہیں۔ ہمیں اس کا احساس نہ ہو مگر انہیں یہ احساس ہے۔ پانی نہ ہو تو مچھلی کیسے زندہ رہے
گی؟ پانی آتا ہے بارش سے چشمے بہاتا ہے اللہ تعالیٰ۔ تو جب عالم نہ ہو تو پھر ان خادموں، بادلوں، چشموں، دریاؤں کی
کیا ضرورت؟ نہ غلہ ہوگا نہ دانہ نہ پانی۔ کہ خادم اشیاء کا مخدوم نہ رہا۔ جو ذکر الٰہی ہے تو جب تک ذکر الٰہی ہے عالم بھی
ہے ذکر ختم ہوا تو گویا دنیا کا ہارٹ فیل ہوا۔ ایک دم جیسے قلب رک جائے اور یہ بند ہوا تو فوراً قیامت قائم ہوجائیگی۔
امام بخاری کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔ کہ قیامت واقعہ عظمیٰ اور داھیۃ کبریٰ ہے۔ عظیم ترین صدمہ ہے
سارے عالم پر، اب اگر مثلاً ایک شخص کوئی مسجد کوئی مدرسہ گرا دے تو بڑا ظلم کیا اس نے، بڑی بے انصافی
ہے مسجد تو بڑی چیز ہے مسجد کی ایک لکڑی جلا دی ایک اینٹ توڑ دی تو بہت بڑا ظلم کیا۔ اور اگر ایک
شخص روئے زمین کی ساری مساجد ڈھا دے حتیٰ کہ بیت اللہ کو بھی گرا دیا (العیاذ باللہ) روضۂ اطہر بھی
ڈھا گیا۔ جیسے قیامت کے وقت عرش و کرسی روضہ مبارکہ سب نہ ہوں گے۔

علم دین کا ختم ہو جانا قیامت کا ذریعہ ہے

تو یہ قیامت حقیقت میں کون لایا؟ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے
کہ ایک عالم جب درس دیتا ہے پڑھنے والے بھی ہوں تعلیم بھی ہو تعلم بھی ہو تو یہ زمین آباد ہوگی۔ خانہ کعبہ بھی آباد
ہوگا۔ حج بھی ہوگا، نماز بھی اور روزہ بھی اور قیامت سے قبل علم اٹھ جائے گا۔ ذکر الٰہی نہیں، عالم نہیں تو
ایک دم یہ کُل عالم تباہ ہو جائے گا۔
دیکھئے، ایک مباشر ہوتا ہے ایک مسبب تو مسبب کا حکم بھی مباشر کا ہوتا ہے۔ ایک شخص قتل کا ارتکاب کرتا ہے

وہ مباشر ہے۔ ایک شخص دوسرے کو قتل کا حکم دیتا ہے وہ سبب ہے تو سبب والا بھی ماخوذ ہوتا ہے یا نہیں ؟ آپ لوگ منطقی ہیں کہیں گے کہ خدا نے مٹا دیئے، ٹھیک ہے مگر دنیا عالم اسباب ہے۔ بھوک پیاس خدا مٹاتا ہے مگر ظاہری اسباب اللہ نے ہمارے لئے پیدا کردیئے۔ اولاد اللہ دیتا ہے مگر بظاہر سبب نکاح ہے۔ عالم اللہ بناتا ہے۔ مگر یہ درس، مدرسہ اور کتابیں سبب ہیں یہ عالم اسباب ہے جس کی بنا پر سارا عالم چلتا ہے۔ اس کا موثر حقیقی اللہ پاک ہیں۔ سبب موثر نہیں، علاقہ ہے مگر ان اسباب کا ارتکاب واختیار جس نے کیا اس پر بھی مباشر حکم کا اجرا ہوگا۔ تو قیامت برپا کیا حقیقت میں اللہ نے، وہ مباشر ہے حکم اسی کا ہے مگر اس کا سبب علم کا معدوم ہونا ہے عالم کا نہ ہونا ہے، علم کا نیست ہوجانا ہے، علم کی یہ گمشدگی سبب بنی قیامت کی جس سے سارے مساجد مٹ گئے خانہ کعبہ منہدم ہوا روضۂ اطہر نہ رہا تو سب کچھ اس عالم نے کیا جو پڑھاتا نہیں تھا یا وہ طلبا جو پڑھنے والے نہ تھے گویا قیامت کو لانے کا ذریعہ کون بنے گا ؛ مولوی کہ جس کے ختم ہوجانے سے ذکر الہی ختم ہوا عبادت ختم ہوئی اور قیامت آگیا۔

تو حضرات وطیور جب عالم کے لئے دعا کرتے ہیں تو ساری دنیا کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بھلائی چاہتے ہیں ورنہ اسباب حیات معدوم ہوجائیں گے تو کوئی نہ رہے گا۔ تو امام بخاریؒ کا یہ استنباط کہ قیامت کا سبب ترک علم دین اور ختم علم دین ہے بالکل صحیح ہے کہ موت العالم موتُ العالَم۔ عالم کی موت سے ایک موت تو یہ ہے کہ اس کے اسباق درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر حقیقتاً عالم کی موت عالم اور کائنات کے لئے رفتہ رفتہ داہیۂ کبریٰ قیامت کا ذریعہ بنتا ہے۔

<u>مولانا مرحوم کی جامعیت</u> تو آج ایک عالم کی جدائی میں ہم سب مغموم وپریشان ہیں یہ (مولانا عبدالحلیم مرحوم) ایک ایسے عالم تھے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اور فنون کے جامع تھے۔ ہمارے ساتھ تو خاص تعلق اور خاص واسطہ تھا اللہ کو یہ منظور تھا، ہم جب جلالیہ (علاقہ چھچھ) میں غالباً شرح جامی پڑھتے تھے اس وقت مولانا مرحوم بھی وہاں تھے۔ ان کی عمر غالباً میرے برابر تھی سال آدھ تقدیم تاخیر شاید ہو۔ اس وقت بھی کافیہ، شرح جامی کے تکرار میں شریک ہوتے اس عمر میں ان کے ساتھی کہا کرتے کہ اللہ نے انہیں کتنی ذہانت دی ہے۔ پھر جب سے یہ دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا ہے اس کے ساتھ ان کا خاص تعلق رہا۔ پہلے ہماری چھوٹی سی مسجد میں سالہا سال یہ سلسلہ رہا۔ مولانا وہاں بھی درس دیتے تھے۔ حاجی محمد یوسف صاحب کی مسجد میں قیام تھا۔ پھر ہماری اس مسجد کے سامنے مکان میں رہے۔ کچھ عرصہ عوارض کی وجہ سے گاؤں میں رہ گئے وہاں سے چند ایک دن لبعض مدارس میں رہے مگر ہر جگہ فرماتے کہ جو ذوق وشوق مجھے دارالعلوم حقانیہ میں حاصل تھا اور جو روحانیت مجھے دارالعلوم میں ملتی ہے وہ کسی اور جگہ نہیں۔ تو تدریس کرنا ہی نہیں گاؤں میں چھوٹی سی دکان ڈال دی مجھے خبر ہوا کہ مولانا فارغ ہیں تو

میں نے دوبارہ بلایا اور تشریف لائے اس وقت سے ۲۵، ۳۰ سال ہوئے کہ وہ اسی دارالعلوم کے ساتھ محبت تعلق کے ساتھ وابستہ رہے۔ ہمیشہ اہم کتابیں وہ پڑھاتے۔ اللہ پاک نے جامع علم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا جامع علم، ہر فن کے عالم، اس دارالعلوم کی سرپرستی جو انہوں نے فرمائی اللہ تعالیٰ اس کا اجران کو نصیب کرے۔

مصیبت کے وقت مومن کا شیوہ | مگر بھائیو! دنیا سے سب کو جانا ہے۔ کل من علیہا فان۔ یہ اللہ کا مقرر شدہ قانون ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی وفات کے وقت جب کہ معمولی صدمہ نہ تھا عقول، حواس باختہ تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور ذہین شخص تلوار نکال کر کھڑے ہوئے کہ جس نے کہا کہ حضور اقدس وفات پا گئے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ تو جب ان جیسے متین انسان کے قلب مبارک پر صدمہ کی وجہ سے بے حد دباؤ تھا اور ابوبکر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی:۔

انک میت و انہم میتون۔ تب سب کو احساس ہوا کہ آپ اور ہم سب نے یہاں سے جانا ہے۔ پھر فرمایا۔
من کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌ لایموت ومن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات۔ (او کما قال) یہ ابوبکرؓ کا حوصلہ تھا اور جتنا ان کا مقام سارے صحابہ سے اونچا ہے۔ اسی طرح حوصلہ بھی اللہ نے ان کو دیا تھا صحابہ کو بتا دیا کہ جو راستہ حضورؐ نے ہمیں بتایا ہے اسی کی پیروی کریں گے۔

تو حضرت مولانا کی جدائی سارے ملک کے لئے نقصان ہے مگر دارالعلوم کے لئے واقعی بات یہ ہے کہ جو خلا ہوا ہے جو نقصان پہنچا ہے اس کمی کو سوائے اللہ کے فضل و کرم اور امداد خداوندی کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا سب تلامذہ کی تربیت اور علمی فیضان سے محروم ہو گئے۔ ہمارا سہارا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہی دین کا محافظ اور نازل کرنے والا ہے اس کی خدمت کے لئے یہ طلبا، اساتذہ عملہ یہ معاونین اور وابستگان ہیں تو یہ ــــ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ــ والی حفاظت ہے

دعا | ہماری اللہ سے درخواست ہے کہ وہ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے عمر بھر جو دینی خدمات انہوں نے انجام دیں قیامت تک اس کے برکات باقی رکھے۔ اور ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ان کو نصیب ہو اور ان کی جدائی سے دارالعلوم کو جو کمی پہنچی ہے اپنے فضل و کرم سے اُسے پُر فرما دے ان کے خاندان اور دوست و احباب تلامذہ سب کو صبر جمیل عطا فرما دے۔ اور ان کے علوم قیامت تک شاگردوں کے ذریعہ باقی اور محفوظ رکھے۔ یہ تلاوت کلام پاک جو کی گئی ہے اللہ تعالیٰ اسے شرف قبول بخش کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام تابعین اور ساری امت خصوصاً حضرت مولانا مرحوم کی روح مبارک تک اس کا ثواب پہنچا دے۔ اللہ اپنے فضل سے ہمیں اس کا اجر دے اور وہ اجر ان ارواح طیبہ تک پہنچا دے جو اساتذہ زندہ ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت ڈال دے۔ ہم سب ایک مرکز سے وابستہ ہیں جو

دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت مولانا مرحوم اور ہم سب وہاں اکٹھے رہے اور یہاں بھی، تو یہ ساری خدمات وہاں کے مشائخ بالخصوص حضرت شیخ مدنیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوبؒ وغیرہ جو گذر چکے ہیں ان کے فیوضات اور دعائیں ہیں اور ان کی تعلیمات ہیں جو ہم آپ کو نقل کرتے رہتے ہیں اور آپ انشاء اللہ آئندہ نسلوں اور قوموں تک انہیں پہنچائیں گے۔ تو ان سب اکابر کے حق میں دعا فرمائیں دعا اور ایصال ثواب میں جتنی بھی سخاوت ہوگی اتنا ہی اجر بھی اضعافاً مضاعفاً ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس صدمہ کے عوض صبر نصیب فرمائے۔ جو علماء، طلباء، فضلاء اور اہل علم کل سے اخلاص و محبت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اور تمام معاونین دارالعلوم کو دنیا و آخرت کی سرخروئی سے نوازے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قطعۂ تاریخ وصال مولانا عبدالحلیم قدس سرہٗ

(از مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہ کلاچی)

اس قحط الرجال میں یہ سانحہ اور بھی شدید ہو جاتا ہے ع جدھر دیکھتا ہوں اُدھر میں ہی میں ہے یعنی انانیت اور نفسانیت کی ظلمت میں جب ہر طرف سے ہم لوگ گھرے ہوئے ہیں ایسے میں للہیت کی کرنیں خاموش ہونے لگیں تو یقیناً دل بیٹھنے لگتا ہے۔ حضرت جو خیر کثیر ساتھ لے گئے ہیں انہیں تو انشاء اللہ" واللہ حسیبہٗ" وہی بس ہے۔ واللہ خیر مآلہ۔ لیکن علم کا یُتم موجب تشویش ہے۔ ماشاء اللہ والامر بید اللہ

حضرت کی شفقت یاد آئی اور یہ تک بندی ہوگئی ؎

خونچکانیدیم باقلب دونیم
بر وصال حضرت عبدالحلیم
بہر تاریخش بگو نالہ کناں
شیخ حق در جنّۃ ماوی رساں

۹۱۰ ۱۰۸ /۲۰۴/۴۵۲/۴۸ / ۲۶۱

۱۹۸۳

للاستاذ محمد رزين شاہ ہزاروی

رثاء الشیخ محمد زکریا قدس سرہ

القصیدۃ فی رثاء برکۃ العصر شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

لقد رحل الشیوخ من الدیار   فاجری دمعنا مثل البحار

عریمٌ ثم قلقٌ ثم حزنٌ   طویلٌ کلَّ لیلٍ والنہار

مضی علمائنا وبدور علم   بقینا فی الظلام بلا منار

تسلسلت الدواہی والرزایا   فقلبی ثم عظمی فی انکسار

معنا راح مولانا زکریا   فواحرماننا من ظل باری

ہو الشیخ المبجل ذو المعالی   امام زمانہ راس الخیار

وحید الدہر لیس لہ نظیرٌ   محدثُ عصرہ مثل البخاری

لہ الکتب الیتیمۃ فی علوم   ففیض علومہ فی الناس جار

وکل کتابہ للصدر ثلجٌ   وکحلٌ مبصرٌ فی عین قاری

وبالتبلیغ دافع عن عداء   وکان امامہم مثل الجدار

محی کلَّ الفساد عن الانام   وکافح کلَّ حینٍ عن شرار

سقی کلَّ الوری من فیض علم   فمنبع فیضہ ذا فی انفجار

ویذکر ربہ فی کل حینٍ   فافنی عمرہ فی الاذکار

ولست بقادرٍ بمدیحہ بل   اتیت بنبذۃٍ بالاختصار

الٰہی اعطہ جناتِ عدنٍ   واعلِ مقامہ فی خیر دار

وامطر رحمۃً بمزار شیخٍ   وبارک ربِّ فی ہذا المزار

رزینٌ سائلٌ دومًا وداعٍ   اقلِ یا ربِّ لی کلَّ العثار

حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار ۔ مروان

تحریک روشنیہ کے بانی کا دعوائے نبوت و رسالت

ایک تحقیقی جائزہ

میں آپ کی توجہ میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ آپ اس موضوع کو اس کے پورے "مالہٗ وعلیہ" کی روشنی میں دیکھیں "فما بال القرون الاولیٰ" یا "تلک امۃ قد خلت لھا ماکسبت وعلیھا ما اکتسبت" کے تقاضے درست ہیں لیکن یہاں تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔ اگر چار سو سال پہلے یہ جنگ حق و باطل کے درمیان تھی تو آج بھی بالکل وہی صورتِ حال ہے۔ مارکسزم کے علمبردار اس موضوع کے ضمن میں اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ روس کے ادیبوں نے بھی اس پر کام کیا ہے۔ اور کابل کے ادیب بھی اپنے پورے سازو سامان کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ آج سے ۹ سال پہلے صدر داؤد کے عہدِ صدارت میں "پیر روشان کی یاد میں" ایک عظیم سیمینار منعقد ہوا تھا جو چھ اجلاسوں پر مشتمل تھا۔ جن میں فارسی اور پشتو میں تقریباً تیس مقالے پڑھے گئے۔ صدر داؤد اور وزیر تعلیم کے پیغامات بھی پڑھے گئے۔ ایک روسی ادیب اور ایک ایرانی ادیب نے بھی مقالے پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بایزید نے اس وقت امیر و غریب کے درمیان طبقاتی جنگ لڑنے کا فرض انجام دیا۔ اور گورگانیوں کی مرکزی حکومت کے خلاف پختونوں کو منظم کیا اور حضرت پیر بابا اور اخوند درویزہ نے ظالم بدہن مغلوں کے ایجنٹوں کا کام دیا تھا۔ نظمیں بھی پڑھی گئیں۔ اس سیمینار کے مقالات کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا۔

ایک مقالے کی چند سطریں آپ بھی پڑھئے۔

"داہشفنت کہ یوے خوائی ماہیت لری لہ بلے خوا پورہ طبقاتی جنبش دے۔ روخان

لہ انشرافو پہ تیرہ بیالہ مغو شخہ چہ دوہ نہضت مخالف دَہ۔ زمکے اوکورونہ برچی پہ زور واخستل او بیائے ٹو لو صغہ کمادنہ یا نو اد غلامانو تہ ورولیشل۔ کوم چہ لہ دَہ سرہ ئے پہ دے نہضت کشنے برخہ آخستبلہ "
مجموعہ مقالات سیمنار بایزید صد ۲۰۹

اور پشتو نظم کا ایک بند یہ ہے۔

درویزہ دد سمنا نو ایجنتی کا۔ بایزید د پښتنو نمایندٗی کا
دغلیم لہ خوا پہ دے وجہ تاریک شو۔ د پښتون ملت چہ دہ ترجمانی کا
بایزید بہ تل ترتل روخانہ وینہ۔ افغانان بہٗ یادوی بہ تلّی مینہ
مقالات کا مجموعہ کتابی سائز پر چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اور صوبہ سرحد کے ایک ادیب عبداللہ کرنے اپنی تصنیف " روخانیاں و مغلو تاریکیاں" میں حضرت پیر بابا اور اخوند درویزہ کے بارے میں یہاں تک دریدہ دہنی کی ہے۔ کہتا ہے

" پیر بابا او راخوند درویزہ دُمغلو پلاس کښے لکہ دہ کوڈاکی کڈیدل " وغیرہ

اس پس منظر کو پیش نظر رکھیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ بایزید کے کیمپ کے ایک دانشور ڈاکٹر عبدالرشید نے " الحق " میں اپنا مضمون شائع کرایا۔ ابتدا روشنائیوں کی طرف سے ہوئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے " الحق " کو موقع فراہم کر دیا ہے کہ اس موضوع کے ضمن میں اپنا علمی۔ دینی اور ملّی فریضہ ادا کرے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان مباحث سے کیا فائدہ۔ ان کی نظر حالات زمانہ پر نہیں ہے۔ اگر علمائے ربانی مارکسزم کے علمبردار ادیبوں کے مقابلہ میں خاموش رہے تو یہ خسارے کی بات ہوگی۔

(مدرار اللہ نقشبندی)

لوگوں کو پیر تمام کی طرف بلانا | ۲۴- اے بایزید! اگر تیری رضا ہو کہ لوگوں کو پیغمبروں کی طرف بلائے پس تجھے چاہیئے کہ انہیں اس کی طرف بلائے جو پیر تمام ہو (خیر البیان صد ۳۲)

اس الہام میں بایزید نے صاف کہا ہے کہ خدا نے مجھے فرمایا کہ اگر تو پیغمبروں کی راہ کی طرف لوگوں کو بلانا چاہے تو پیر تمام کی لوگوں کو دعوت دے۔ مطلب یہ کہ بایزید کے خیال میں انبیاء علیہم السلام اور پیر تمام ہم مرتبہ ہیں اور پھر اس کے دعوے کے مطابق سارے زمانے کے لیے پیر تمام بایزید ہی ہے۔ تو اس اعتبار سے بایزید ہی انبیاء علیہم السلام کا ہم مرتبہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیر تمام کے پردے میں یہ پیغمبری کا مدعی ہے۔ پھر الہام میں " اگر تیری رضا ہو" کا جملہ قابلِ غور ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو بایزید کی رضا ہر ل

میں مطلوب ہے۔

خیر البیان پر ایمان نہ لانا موجب عقوبت ہے | ۲۵۔ بیشک اللہ اپنے صوفی بندوں کو کتاب کا وارث قرار دیتا ہے۔ جس نے اس پر ایمان لایا اور اس پر عمل کیا پس اس نے ہدایت، معرفت اور راحت پائی اور جس نے اس پر ایمان نہ لایا۔ اور اس پر عمل نہ کیا تو بلاشک وہ ضلالت، جہالت اور عقوبت کا مستحق ہوگا۔ ہادی نے یہ کلام کہا ہے (خیر البیان صہ ۲۹)

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا فرض ہے اور بایزید نے اپنی کتاب خیر البیان پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے اور ایمان نہ لانے والے اور عمل نہ کرنے والے کو گمراہی، جہالت اور عذاب کی بشارت دی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بایزید نبوت و رسالت کا مدعی ہے۔

خیر البیان کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی تھی | ۲۶۔ اور ہر روز وہ وقت عورتوں اور مردوں کے درمیان ایک بلند جگہ بنائی جاتی اور خلیفہ اس پر بیٹھتا اور ان کے سامنے خیر البیان یا مقصود المومنین (بایزید کی دوسری کتاب) پڑھتا اور اس کے معنی بیان کرتا اور عورت و مرد سنتے۔ جب یہ کتاب پوری ہوجاتی تو ہر آدمی اپنی استعداد کے مطابق اپنے گھر سے بکری، آٹا، گھی اور چاول منگواتا اور خلیفہ کے گھر بہت سا کھانا پکوایا جاتا گاؤں اور شہر کے لوگوں کو دعوت دی جاتی اور کھانا کھلایا جاتا (حالنامہ ۵۰)

حالنامے کے اس اندراج سے معلوم ہوا کہ بایزید کے پیروکار خیر البیان کے ساتھ قرآن کریم ہی کی طرح برتاؤ کرتے۔ بلکہ وہ خیر البیان کی وجہ سے قرآن کریم سے بے نیاز ہوگئے تھے اور قرآن کو متروک کردیا تھا۔ گویا خیر البیان کے نزول کے بعد انہیں قرآن کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ اسی لئے تو انہوں نے خیر البیان کے پڑھنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے سارا دن وقف کر دیا تھا۔ جب کہ تلاوت اور درس خیر البیان کی مجالس میں مرد و زن مخلوط بیٹھتے۔

پیر تمام پر سچا یقین رکھنا چاہیئے | ۲۷۔ سچا یقین وہ ہے کہ پیر تمام پر سچا یقین رکھے اس کے کہنے پر عمل کرے اور مال و جان سے اس کی بہت خدمت کرے جس سے اس کو نیکی اور ایمان کی طرف راہ کھلے گی (خیر البیان ۲۵۱)

بایزید کہتا ہے کہ پیر تمام جب کہ وہ خود ہی ہے پر سچا یقین رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس پر نیکی اور ایمان کا راستہ کھل جائے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ پیغمبر کے بغیر کسی دوسرے پر یقین و ایمان لانا اسلام کے نزدیک ایمان ہی کا نقصان ہے۔

پیغمبروں کے زمرے سے ہونے کی علامت | ۲۸۔ دیکھو بایزید! پیغمبروں کے زمرے سے وہ ہے جس سے آدمی راہ پاتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء اور مرسلین سے پاتا تھا۔ وہ لوگوں کو میری معرفت کی طرف بلاتا ہے۔ میری کتاب کے

کہنے پر گناہ سے میرے عذاب کے ذریعے ڈراتا ہے۔ اور میرے کہنے پر لوگوں کو میری راحت کی بشارت دیتا ہے۔ (خیر البیان ص ۲۳۰)

بایزید نے اپنے آپ کو ہادی اسی بنا پر کہتا ہے کہ وہ پیغمبروں کی طرح خدا کے حکم پر لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے اسی لئے تو وہ اپنے آپ کو پیغمبروں کے زمرے کے ساتھ ملاتا ہے۔

معرفت کے بغیر نیکیاں برائیوں میں تبدیل ہوں گی ۲۹۔ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اطاعت اور دوسری عبادتوں کو نیکیاں سمجھتے ہوں گے۔ پس اللہ قیامت کے دن ان کی حسنات کو معرفت توحید کے بغیر برائیوں میں تبدیل کر کے ظاہر کرے گا۔ (خیر البیان ص ۶۵)

اس الہام میں معرفت توحید کا ذکر کیا گیا ہے اور بایزید کے دعوے کے مطابق توحید کی معرفت پیر تمام کے بغیر کسی اور کا کام نہیں ہے۔ اور پیر تمام بایزید ہی ہے جس پر یقین رکھنے کے بغیر لوگوں کی نیکیاں مقبول تو کجا وہ برائیوں میں تبدیل کی جائیں گی۔ حالاں کہ یہ پیغمبر کا مقام ہے کہ اس پر یقین و ایمان رکھنے کے بغیر کوئی نیکی بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہو سکتی۔

ہادی پر یقین نہ رکھنے والے کے لئے دائمی عذاب ہے ۳۰۔ جو مجھ پر اور صاحب ہدایت (ہادی) پر یقین نہیں رکھتا اور میری کتاب پر عمل نہیں کرتا اس کو میں دنیا کی زندگی میں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف نہیں لے جاؤں گا۔ پس اس کو میں مرنے کے بعد دائمی اور ابدی عذاب سے نہیں نکالوں گا (خیر البیان ص ۲۶)

بایزید کا دعویٰ ہے کہ وہی صاحب ہدایت اور سارے زمانے کے لئے اللہ کی طرف سے مبعوث شدہ ہادی ہے۔ اور اپنے آپ پر یقین اور ایمان نہ لانے والوں کے لئے دائمی عذاب کی خبر دیتا ہے۔ حالاں کہ یہ مقام انبیا علیہم السلام کا ہے اور بایزید یہ مقام اپنے لئے ثابت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے۔

بایزید مامور من اللہ داعی ہے ۳۱۔ اے بایزید! تجھ پر فرض ہے کہ لوگوں کو میری معرفت کی طرف بلائے انبیاء علیہم السلام کی سمجھ کے مطابق۔ اے سبحان! مجھے اپنے حکم سے پیغمبروں کی سمجھ بنا دے۔ اے بایزید! میں نے شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت اور وحدت پیغمبروں کی سمجھ کر دی ہے (خیر البیان ص ۳)

بایزید نے لوگوں پر آٹھ مقامات یکے بعد دیگرے فرض کر دئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، وحدت، قربت، وصلت اور سکونت۔

لیکن وہ یہ مقامات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی فرض قرار دیتا ہے۔ اور ان کی سمجھ کو ان آٹھ مقامات تک ہی محدود کرتا ہے۔ مذکورہ الہام میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ بایزید کو انبیاء کے مقامات اور انبیاء کی سمجھ عطا کر دی گئی ہے اور اس طرح وہ اپنے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ بایزید الہام

کے پردے میں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست مکالمہ اور مخاطبہ کا قائل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی وقت اس کا جواب دیتا ہے جیسا کہ الہام مذکورہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ جو وہ اپنے لئے ثابت کرتا ہے جب کہ الہام، القاء اور " در دل افگندن " کو کہتے ہیں۔ نیز کتب عقائد میں لکھا ہے۔

" فَالْاِلْہَامُ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ "

یعنی الہام حجت شرعی نہیں ہے اور بایزید الہام کے ذریعے لوگوں پر بے شمار نئے فرائض اور امر و نواہی عائد کرتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی اور کا کام نہیں اور جب بایزید یہ مقام اپنے لئے ثابت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبوت و رسالت کا مدعی ہے۔

وحدت میں اپنی اور معبود کی ذات کو ایک سمجھو | ۳۲۔ فینبغی ان لا تسکنوا فی القربۃ ویرفعوا اقدامکم الی الوصلۃ اذکروا ذاتکم واحد مع ذات المعبود (صراط التوحید)

" ترجمہ۔ پس تمہیں چاہئے کہ قربت میں قرار نہ پکڑو۔ اور وصلت کی طرف اپنے قدم بڑھاؤ اور وصلت کے ذکر میں اپنی ذات کو ایک یاد کرو معبود کی ذات کے ساتھ۔"

بایزید نے اپنے مریدوں کو " مقامات ثمانیہ" میں سے ہر ایک مقام کا الگ ذکر بتایا ہے۔

مقام وصلت کا یہ ذکر بتایا کہ

" میری ذات معبود کی ذات کے ساتھ واحد ہے۔"

اور یہ ذکر اس وقت تک جاری رہتا جب تک اس سے بلند مقام پر ترقی نہیں ہوتی۔ لیکن اس قسم کے ذکر سے آدمی کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اپنی ذات اور اللہ کی ذات کو ایک سمجھنا الوہیت کے دعوے کے مترادف ہے اور مقامات ثمانیہ میں سے آخری مقام سکونت کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

سکونت انبیاء کا مقام ہے | ۳۳۔ بدانید اے گروہ بادشاہان و امیران کہ مقامِ سکونت مقامِ پیغمبران است (صراط التوحید صہ ۱۱۰)

ترجمہ۔ اے بادشاہوں اور امیروں کے گروہ! سمجھو کہ سکونت کا مقام پیغمبروں کا مقام ہے۔

بایزید اپنے آپ کو سکونت کے مقام پر فائز سمجھتا ہے اور اس مناسبت سے اپنے آپ کو مسکین کہتا ہے۔ اس نے دو مہریں بنوائی تھیں جن میں سے ایک پر

" بایزید مسکین ہادی المضلین"

لکھا تھا۔ اس کے نزدیک سکونت کے مقام میں تمام پیغمبر شریک ہیں۔ جن میں یہ خود کو بھی شامل سمجھتا ہے اور اگر یہ

اپنے آپ کو پیغمبر نہ سمجھتا تو سکونت کے مقام پر جو بقول اس کے پیغمبروں کا مقام ہے اپنے آپ کو فائز نہ سمجھتا۔ لیکن بایزید اس "مقام پیغمبران" پر بھی صبر نہیں کرتا بلکہ پیغمبروں سے بھی اپنے لئے اپنے منفرد مقام حاصل کرتا ہے جب کہ وہ مقام احدیت اور صمدیت کا مقام ہے۔ اور پھر وہ کہتا ہے کہ اس مقام میں بندہ عبدیت اور عبادت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

سکونت پانے والا غنی اور صمد ہو جاتا ہے | ۳۴- من وجد سکونۃ اللہ صار غنیاً وصمداً یحرّک جسدہ ظاھراً ولن یحرّک روحہ باطناً ابداً عیان ھادی وبٹلی دی دا کلام (خیر البیان ۲۴۳)

ترجمہ: جس نے اللہ کے ساتھ سکونت پائی تو وہ غنی اور صمد ہو گیا۔ بظاہر وہ جسم کو حرکت دیتا ہے اور باطن میں اس کی روح قطعاً حرکت نہیں کرتی ہمیشہ کے لئے۔ یہ بات عیان ہے ہادی نے (بایزید) یہ بات کہی ہے۔

پچھلے مضمون میں قارئین کرام کو حضرت اخوند درویزہ بابا علیہ الرحمۃ کی وہ بات یاد ہو گی جو انہوں نے بایزید کے متعلق کہی تھی کہ

"بایزید نے نہ غسل کیا اور نہ وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا"

وہ دراصل بایزید کے اس مقام سکونت کی طرف اشارہ تھا کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد وہ نماز وغیرہ عبادت سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔ صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے بظاہر جسم کو نماز میں حرکت دیتا تھا اور باطنی طور پر وہ نماز میں قطعاً مشغول نہیں ہوتا تھا اور نہ اس کے شرائط وضو اور غسل وغیرہ کی پابندی کرتا تھا۔ اس مطلب کو بایزید نے اپنے ایک دوسرے الہام میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ

لوگوں کو دکھاوے کے لئے عبادت میں مشغول ہو | ۳۵- اگر موحد وہ عبادت چاہتا ہے جس پر وہ نہ مشرک اور نہ کافر ہو جائے پس اس کو چاہئے کہ لوگوں کے سامنے اپنا بدن اور اعضاء عبادت میں مشغول کرے جس کی وجہ سے میری عبادت سے دوسرے آدمی نہ نکلیں۔ (خیر البیان صہ ۲۷۶)

اس الہام کا مطلب بالکل واضح ہے جس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

سکونت سے بالاتر کوئی مقام نہیں | ۳۶- میں نے سکونت کا مقام بہتر کر دیا ہے سکونت کے مقام سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے۔ مسکین ایک ہوتا ہے ہر ایک اس کا محتاج ہوتا ہے عیان (خیر البیان صہ ۲۴۳)

بایزید نے ان الہامات میں غنی اور صمد ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالاں کہ "صمد" اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی نام ہے جس کا اطلاق اللہ کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا۔ صمد کے معنی ہیں کہ اللہ بے نیاز ہے۔ اور سب اسی کے محتاج ہیں لیکن بایزید نے اپنے آپ کو سکونت کے مقام پر پہنچا کر صمدیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور صاف کہا ہے کہ مسکین ایک ہوتا ہے اور دوسرے سب اس کے محتاج ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر اس نے بندگی اور عبادت سے

اپنے آپ کو آزاد کرایا ہے۔ اس نے اپنے جن مریدوں کو اس مقام پر پہنچایا تھا انہیں قید بندگی سے چھڑایا تھا۔ نیز اس نے صاف کہا ہے کہ مسکین ایک ہے اور باقی سب اس کے محتاج ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبری کا دعویٰ تو ایک طرف، اس نے پیغمبروں سے بھی برتر اور بہتر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے آپ کو صمدیت اور احدیت کے مرتبے پر پہنچا دیا۔

شیخ الافغان حضرت اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے بایزید کے اس قسم کے خلاف شریعت دعووں کی بنا پر کہا تھا کہ

"ایں شخص دعویٰ خدائی ہم میکرد و دعویٰ پیغمبری ہم" (تذکرۃ الابرار والاشرار صـ ۱۴۶)

یعنی یہ شخص خدائی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور پیغمبری کا دعویٰ بھی۔

لیکن بایزید کے مقامات اس پر بھی ختم نہیں ہوتے۔ ابھی اس کی کچھ "لن ترانیاں" باقی ہیں۔ وہ بھی سنیے۔

مسکین اپنے آپ کا ذکر کرے | ۴۷- اس کے بعد اپنے آپ کو یاد کیا کرے جیسا کہ یاد ہوا ہوا اور اپنے آپ
اور اپنے کو لاشریک جانے | کو لاشریک جانے اور دیکھے اس لئے ایک ہیں شریک حرام ہے اِنَّ
اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ بیان ہے قرآن میں۔

(خیر البیان صـ ۲۷۷)

اس الہام میں بایزید نے کہا ہے کہ مسکین جب صمدیت کے مقام پر پہنچے تو پھر اس کو اللہ کا ذکر اور یاد نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے ذکر اور یاد میں مشغول رہے۔ اور جس طرح اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس طرح وہ بھی معاذ اللہ اپنے آپ کو وحدہٗ لاشریک جانے اور دیکھے۔ اور اگر اس نے اس مرتبے میں دوسرے کو بھی اپنا شریک بنایا تو حرام کا ارتکاب کیا۔ نیز اس نے اپنے دعوے کی تائید میں مذکورہ آیت کریمہ بھی اپنے اوپر نازل کروائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے اس کے ساتھ شریک بنایا اور شرک سے کم تر کبیرہ وصغیرہ کو جس کے لئے وہ چاہتا ہے بخشتا ہے تو گویا "مسکین" کا شریک بنانے والا بھی بایزید کے نزدیک مشرک ہے جس کی مغفرت نہیں کی جائے گی۔

ہمیں حیرت ہے کہ ہمارے بعض دانشور اور ادیب بایزید کے اس قسم کے نفسانی الہامات کو رحمانی الہامات سمجھتے ہیں اور ان پر سچا یقین رکھتے ہیں۔

عارف موحد عبادت کرنے سے | ۴۸- دیکھو بایزید! حکم عارف موحد کے لئے یہ ہے کہ یگانگی کے بعد وہ
مشرک ہو جاتا ہے ـــــ! | اپنے آپ کو بندگی اور گناہوں سے آزاد سمجھے عبادت کرنے سے میری
نظر میں مشرک ہو جاتا ہے۔ اور چھوڑنے سے لوگوں کی نظر میں کافر ہو جاتا ہے (خیر البیان صـ ۲۷۶)

اس الہام میں بایزید کی حقیقت اور بھی بے نقاب ہو گئی۔ ابتداء میں وہ شریعت کا کچھ نہ کچھ پابند تھا۔ لیکن بالآخر وہ ایک ایسے مقام پہ پہنچ گیا جس میں اس نے تکلیفات شرعیہ کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ بلکہ عبادت کو شرک قرار دے دیا۔ اور منہیات اور معاصی کو اپنے لئے حلال کر دیا۔ اور غضب یہ ہے کہ بایزید کے یہ سب کچھ الہام یعنی حکم الٰہی سے کیا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کو پیدا کیا ان کو تو حکم ہے

فَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۝

یعنی اے پیغمبر! اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

اور ادھر بایزید اس فریب نفس میں مبتلا ہے کہ وہ عبادت سے آزاد کر دیا گیا ہے اور معاصی کو اس کے لئے حلال کیا گیا ہے ہم اس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

بایزید اس سلسلے میں مزید وضاحت کرتا ہے تاکہ اس کی بات سمجھنے میں بالکل اشتباہ نہ رہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

عارف موحد ہونے تک گناہوں سے مجتنب رہے | ۳۰۹- گناہوں سے مجتنب رہے اس وقت تک کہ واصل، عارف اور موحد ہو جائے یہ عیاں ہے۔ (خیر البیان ص ۲۷۵)

مطلب یہ کہ واصل، عارف اور موحد کے لئے گناہوں سے مجتنب رہنے کا حکم نہیں ہے۔ اور جس طرح اس سے عبادت کی پابندی ختم کر دی گئی ہے اسی طرح گناہوں سے اجتناب کی قید بھی واپس لی گئی ہے۔

وصول کے بعد عبادت شرک ہے | من اراد العبادة بعد الوصول فقد اشرك بالله العظيم۝ (خیر البیان ۲۷۶)

ترجمہ: جس نے وصول الی اللہ کے بعد عبادت کی تو اس نے خدائے عظیم کے ساتھ شریک پیدا کیا۔ سبحان نے یہ کہا ہے۔

بایزید خدا سے ذرا بھی خوف نہیں کرتا اور نہ مسلم معاشرے کی مخالفت کو خیال میں لاتا ہے اور خدائے سبحان کی طرف سے برملا کہتا ہے کہ وصول الی اللہ کے بعد جس نے عبادت کا ارادہ بھی کیا تو اس نے خدائے عظیم کے ساتھ شریک پیدا کیا۔ بایزید کی یہی باطل تعلیمات تھیں جس نے اس وقت کے علمائے ربانی میں شدید اضطراب پیدا کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے لوگوں تک صحیح اسلامی تعلیمات پہنچانے پر کمر ہمت باندھی اور اپنی تصنیف و تالیف اور تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کے اسلامی عقائد کی حفاظت کی۔

اب شریعت کے بارے میں بایزید کے خیالات سنئے۔ وہ صاف کہتا ہے کہ شریعت شب تاریک کی مانند ہے اور

و رحقیقت روشنی ہے اور غضب یہ ہے کہ اپنا یہ دعوی اپنی خود ساختہ حدیث نبویؐ سے ثابت کرتا ہے
چنانچہ وہ کہتا ہے ۔

شریعت شب تاریک کی مانند ہے | ۴۱۔ الشریعۃ کمثل اللیل والطریقۃ کمثل النجوم والحقیقۃ
کمثل القمر والمعرفۃ کمثل الشمس لیس فوق الشمس شیئی نبی وتلی دی علیہ السلام (خیرالبیان ۲۵۶)

ترجمہ۔ شریعت کی مثال رات کی طرح ہے اور طریقت کی مثال ستاروں کی طرح اور حقیقت کی مثال چاند کی طرح اور معرفت کی مثال سورج کی طرح ہے۔ سورج سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے نبی علیہ السلام نے کہا ہے
آگے سنئے بایزید شریعت کے متعلق کیا کہتا ہے ۔

شریعت میں رہنے والا حق کو نہیں پہنچتا | ۴۲۔ ساکن الشریعۃ لایبلغ الی طریق و بغیر طریق الحق
لا یبلغ الی المقام الذی فیہ امان (خیرالبیان ص ۲۵۴)

ترجمہ۔ شریعت میں رہنے والا حق کے طریق کو نہیں پہنچتا اور حق کے، بغیر اس مقام تک نہیں پہنچتا جس میں امان ہے ۔
اس الہام سے معلوم ہوا کہ بایزید کے نزدیک شریعت میں ثابت قدم رہنے والا نہ تو حق کو پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کے لئے امان ہے ۔

طریقت کا عمل شریعت کے عمل سے بہتر ہے | ۴۳۔ اے بایزید! طریقت کا فہم اور عمل شریعت کے فہم اور عمل سے آدمیوں کے لئے بہتر ہے۔ (خیرالبیان ص ۱۸۸)

الہام کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لوگوں کے لئے شریعت کے فہم اور عمل سے طریقت کا فہم اور عمل بہتر ہے۔ اور اس طرح شریعت کو متروک قرار دیا۔
اب شریعت کے متعلق بایزید کا آخری فیصلہ سنئے ۔

شریعت پر عمل کرنے والے کو تاریک عذاب دوں گا | ۴۴۔ جو شخص شریعت میں بر قرار رہا وہ طریقت سے حجاب میں رہے گا۔ اور فرشتوں کے خصائل سے محروم رہے گا۔ میں اس کو نفس وہوس کے سبب تاریک عذاب دیتا رہوں گا درآں حالیکہ وہ میری معرفت کو نہ پائے گا اور نہ دیکھے گا۔ تجھ (بایزید) پر اس کا اعلام ہے
مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (کسی کہ دریں دنیا کور یعنی بے معرفت باشد پس اوست در آخرت کور و گمراہ تر از روئے طریق) پہ قرآن کینبے دی بیان (خیرالبیان ص ۲۵۶)

اس الہام سے پہلے تین الہامات میں بایزید نے شریعت کی نسبتاً محتاط لفظوں میں مذمت کی۔ اور شریعت کو ناقابل عمل ٹھہرایا۔ لیکن اس آخری الہام میں بایزید نے حد کر دی۔ اور اس نے شریعت پر ثابت قدم رہنے والے کے لئے کئی سخت سزائیں بیان کیں۔ ایک تو شریعت کی پیروی کو نفس وہوس کی پیروی قرار دیا۔ دوسرے وہ فرشتوں کے

فضائل سے محروم رہے گا۔ تیسرے اس کے لئے ہمیشہ تاریک عذاب رہنے کی وعید سنائی۔ اور چوتھے مندرجہ بالا آیت کی رو سے جو اس نے اپنے اوپر نازل کروائی عامل شریعت کو اندھا اور گمراہ تر قرار دیا اور آخرت میں بھی اس کے لئے یہی سزا بیان کی۔ بایزید کے اس قسم کے الہامات کی مشق جاری تھی جو شریعت مطہرہ کو برابر ہدف بناتے جا رہی تھی اور شریعت کو داغدار کر رہی تھی ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

پیر روشن کو پیر تاریک کہنے کی وجہ | مذکورہ الہامات میں بایزید نے شریعت کو نہ صرف شب تاریک قرار دیا تھا بلکہ عاملین شریعت کو خدا کی طرف سے تاریک عذاب کی وعید سنائی تھی جس کے ردعمل کے طور پر اس وقت کے علمائے ربانی خصوصاً شیخ المشائخ شاہ خراسان حضرت سید علی ترمذی معروف بہ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ اعظم شیخ الافغان حضرت اخوند رویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے بایزید کو "پیر تاریک" کا خطاب دیا کیونکہ وہ اسلام کے شیدائی غیور افاغنہ میں اسلامی تعلیمات کی روشنی کے بجائے اپنی باطل اور نفسانی تعلیمات کی تاریکی پھیلا رہا تھا اور درحقیقت اس نے اپنے آپ کو اس خطاب کا مستحق قرار دیا تھا۔ بھلا جو شخص شریعت بیضا کو تاریک کہہ دے اور عاملین شریعت کو دائمی تاریک عذاب کی وعید سنائے وہ پیر روشن کہلانے کا مستحق ہے یا اس کا صحیح نام "پیر تاریک" ہی ہو سکتا ہے ؎

اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت | تو دل شکستہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

خدا نے بایزید کو ندا کی کہ حق پہنچاؤ | ۷۵۔ از حضرت عزت ندا رسید کہ یا بایزید اگر طالب صادق بیاید پیش تو طلب ایں حال از تو براستی کند پس او را ازیں حال واقف گردان تا ازیں یک چراغ چراغہائے بسیار افروختہ شود و نور در تزاید گردد (مقدمہ خیر البیان صہ ۱۱)

ترجمہ۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے بایزید! اگر ایک سچا طالب تیرے پاس آئے اور تجھ سے سچائی کے ساتھ اس حال کی طلب کرے پس اس کو اس حال سے واقف کر تاکہ اس ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن ہو جائیں اور نور ترقی کرے۔

بایزید کے دعوے کے مطابق جب وہ خدا کی طرف سے لوگوں کو اپنی دعوت پر مامور ہوا تو اس نے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنی دعوت کی ابتدا اپنے خویش و اقارب سے کی اور اپنے والد قاضی عبداللہ اور چچا زاد بھائی محمد یعقوب کو اپنے خلیفہ محمد کمال کے ذریعے اپنی دعوت پہنچائی۔ اس وقت محمد کمال سے بایزید نے یہ الفاظ کہے۔

بایزید کی دعوت سے اس کا باپ اور بھائی محروم رہے | ۷۶۔ عبداللہ پدر است و یعقوب برادر است

حیف می آید کہ از معرفت حق و از علم توحید بے نصیب اند باید کہ یک مرتبہ باز بروی و بگوئی کہ اگر دریں جہاں از معرفت حق بے نصیب شدید فردا از لقائے پروردگار بے نصیب خواہید بود و حق تعالیٰ او را (بایزید) را صاحب معرفت و علم توحید گردانیدہ است کہ با وجود او شما از معرفت حق تعالیٰ بے نصیب خواہید رفت۔

(مقدمہ خیر البیان صہ ۱۵)

ترجمہ۔ عبداللہ میرا باپ ہے اور یعقوب میرا بھائی ہے مجھے افسوس آتا ہے کہ وہ خدا کی معرفت اور توحید کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ ایک بار پھر ان کے پاس جا اور ان سے کہہ دے کہ اگر اس دنیا میں خدا کی معرفت سے محروم رہ گئے تو کل قیامت کے دن خدا کی ملاقات سے محروم رہ جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ نے اس (بایزید) کو معرفت اور توحید کا علم دیا ہے یہ بری بات ہو گی کہ اس کے ہوتے ہوئے تم حق تعالیٰ کی معرفت سے بے نصیب چلے جاؤ۔

اس عبارت میں بایزید نے یہ نشاندہی کر دی کہ اس کی دعوت کو نہ ماننا خدا تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار سے محرومی کا سبب ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے بغیر یہ حق کسی پیر اور ولی کو حاصل نہیں۔ کہ وہ اپنی نافرمانی کے سبب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ملاقات سے محروم کر دے۔

محمد کمال نے بایزید کی دعوت عبداللہ اور یعقوب کو دوبارہ پہنچائی۔ مگر انہوں نے اس دعوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ محمد کمال نے بایزید کو جب ان کے انکار سے آگاہ کیا تو حالنامے کے بیان کے مطابق بایزید نے کہا۔

عبداللہ اور یعقوب اپنے وقت کے فرعون ہیں

۴۷۔ اے محمد! اینہا مغرور علم و نسب اند ہرگز یقین و اعتقاد نہ خواہند آورد ایں‌ہا فرعون و ہامان و قارون وقت خود اند (مقدمہ خیر البیان صہ ۱۵)

ترجمہ۔ اے محمد کمال! یہ لوگ اپنے علم و نسب پر مغرور ہیں۔ ہرگز (مجھ پر) یقین اور اعتقاد نہیں کریں گے۔ اور یہ لوگ اپنے وقت کے فرعون اور ہامان اور قارون ہیں۔

بایزید کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اس کی دعوت پر یقین اور اعتقاد نہیں رکھتے وہ معمولی مرتبے کے کافر نہیں بلکہ فرعون، ہامان اور قارون کی طرح بڑے اور شدید قسم کے کافر ہیں۔ واضح رہے کہ بایزید کے باپ قاضی عبداللہ بڑے نیک اور متقی عالم دین تھے اور علاقے میں ان کی نیک شہرت تھی۔ لیکن بایزید نے اپنی دعوت کے انکار کی وجہ سے جس طرح دوسرے منکرین پر کفر کے فتوے لگائے تھے اسی طرح اس نے اپنے باپ اور چچازاد بھائی کو جب کہ وہ بھی صاحب علم تھے اپنے فتووں سے معاف نہیں کیا۔ بلکہ انہیں فرعون، ہامان اور قارون جیسے شدید ترین کافروں کے زمرے میں شمار کیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا تھا۔ اور اسی اساس پر اپنے منکرین کو کافر سمجھتا تھا۔

بایزید اپنے زمانے کے سب لوگوں کو مشرک کہتا تھا اس نے اپنی دعوت شروع کرنے سے پہلے اپنے گاؤں "کانیگرم"

میں اپنے گھر کے تہہ خانے میں پانچ سال تک چلہ کشی کی جب بایزید چلہ ختم ہونے کے بعد اس خلوت سے باہر آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ تو نے خلوت میں بیٹھ کر کیا حاصل کیا ؟ تو اس نے جواب دیا۔

| سب لوگوں کو شرک میں پلید دیکھتا ہوں | ۴۸۔ حق تعالیٰ مرا علم اسرار کشف کرد امید ہمہ این خلق را در شرک پلید می بینم (حالنامہ و تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۱۳۲)

ترجمہ ۔حق تعالیٰ نے مجھ پر علم اسرار کھولا۔ سب لوگوں کو شرک میں پلید دیکھتا ہوں۔

غور کا مقام ہے کہ بایزید کس طرح بیباکی کے ساتھ اپنے ماسوا تمام لوگوں کو برملا مشرک کہتا ہے ۔ کیا ایک پیر کو خواہ وہ کامل و مکمل کیوں نہ ہو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو مشرک ۔ کافر اور فرعون و ہامان کہے یہ صرف انبیاء کا مقام ہے کہ ان پر ایمان نہ لانے والے کافر ہوتے ہیں۔ اور بایزید بھی اپنے آپ کو پیغمبروں کے زمرے کے ساتھ ملاتا ہے ۔ اس لئے لوگوں سے حتیٰ کہ اپنے باپ سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ اس پر ایمان لے آئے ۔

| وحی اور الہام ولی پر بھی آتا ہے | ۴۹۔ احمد (ایک معترض) نے کہا کہ تیرے لئے کہاں تک سزاوار ہے کہ تو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالاں کہ جن پر وحی آتی ہے وہ پیغمبر ہوتے ہیں بایزید نے جواب دیا۔

خدا نے قرآن مجید میں کہیں نہیں کہا کہ فلاں فلاں پر وحی و الہام بھیجتا ہوں اور فلاں فلاں پر نہیں ۔ بلکہ قرآن مجید میں ہے :۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ وَالرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

پھر اس نے کہا کہ وہ وحی بھیجتا ہے جبریل کے ذریعے سے انبیاء پر اور الہام اور دوسرے ملائکہ بھیجتا ہے اولیاء اور مومنین پر جو ان کو خبر دیتے ہیں اور علم باطن اور اس کی حقیقت کو مکشوف کرتے ہیں ۔ وحی اور الہام خدا کی طرف سے ولی پر بھی آتا ہے (حالنامہ و تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۱۴۳)

حالنامے کے اس اندراج سے یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہوئی کہ بایزید پیغمبری کا مدعی تھا اور اپنے اوپر وحی و الہام اور ملائکہ کے نزول کا قائل تھا۔ اور اس کے ثبوت میں مندرجہ بالا آیت کریمہ پیش کی۔

واضح رہے کہ مرزا غلام احمد کی امت قادیانی بھی مندرجہ بالا آیت اجرائے نبوت کے لئے پیش کرتے ہیں ۔ جب کہ علمائے اسلام نے اس کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کئی باتوں میں مرزا قادیانی نے بایزید کے خیالات سے استفادہ کیا ہے ۔

| بایزید اور اس کے مریدوں کو گناہوں کی بخشش | مجھے اور میرے یاروں، فرماں برداروں اور احباب کو گناہ بخشدے ۔ دوسرے یہ کہ میرا دل قرار پکڑے اور تیرے کلام کے لئے فارغ ہو جائے اے سبحان! اے

بایزید! میں نے سچ یہ ہے کہ مجھے اور تیرے یاروں، محبوں، فرماں برداروں کو توبہ کے ذریعے سابقہ گناہ بخش دیئے۔ (خیر البیان صد ۱۴)

بایزید نے خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ بخشوائے اور اپنے تمام پیرو کاروں کے جملہ گناہ بھی بخشوائے۔ مذکورہ الہام مکالمے پر مشتمل ہے۔ بایزید نے اللہ سے سوال کیا اور بقول اس کے اللہ نے اسی وقت اس کو اور اس کے پیرو کاروں بلکہ احباب کو ان کے سارے گناہ بخش دیئے۔ بایزید اللہ تعالیٰ سے صرف گناہ بخشوانے پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے آپ پر اور اپنے مریدوں پر خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے :۔

بایزید اور اس کے اتباع پر رحمتیں | ۵۱۔ جعلنا رحمۃ و برکۃ علیك وعلی آل واحباء واتباعك فی هذا الزمان (خیر البیان صد ۷)

ترجمہ۔ میں نے تجھ پر اور تیرے آل واحباب اور پیرو کاروں پر اس زمانے میں رحمتیں اور برکتیں نازل کی ہیں تجھ پر اس کا اعلام ہے۔

اور پھر تعجب یہ کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے حضور اکرم صلعم کی طرف سے بھی اپنے او پر اور اپنے اتباع اور احباب پر رحمتیں اور برکتیں بھجوائی ہیں۔ اس کے لئے بایزید کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

نبی علیہ السلام کی طرف سے رحمتیں | ۵۲۔ قال علیہ السلام کردم رحمت وبرکت بر تو وبرپس روان ومحبان و فرماں برداراں تو دریں زمانہ تو بداں (خیر البیان صد ۹)

ترجمہ۔ نبی علیہ السلام نے کہا ہے کہ میں نے تجھ پر اور تیرے پیرو کاروں، محبوں اور فرماں برداروں پر رحمتیں اور برکتیں کی ہیں اس زمانے میں تو یہ سمجھ لے۔

قیامت کے دن بایزید کے مرید اس کی آواز پر زندہ ہوں گے | و اذا یسمعون الطالبین عن مرشد صیحۃ ذکر الاول یحرکون اجسادھم بشوق و بمحبۃ الرحمن فی وقت یدخلون و یخرجون القاسم یہلك الظمان بسبب ایقان و اذا یسمعون عن مرشد صیحۃ ذکر الآخر فصار بہ حیاۃ عیان (خیر البیان صد ۵۴)

ترجمہ۔ قیامت کے دن جب طالبین مرشد سے" ذکر اوّل" کی آواز سنیں گے تو وہ اپنے جسدوں کو رحمٰن کے شوق اور محبت میں حرکت دیں گے ایسے وقت میں کہ وہ اپنے سانسوں کو اندر اور باہر کریں گے۔ اور ان کی پیاس بجھ جائے گی یقین کے سبب۔ اور جب مرشد سے دوسرے ذکر کی آواز سنیں گے تو اس پر وہ زندہ ہو جائیں گے ظاہر میں"

اس الہام کے پیش نظر بایزید قیامت کے دن مُردوں کے قبروں سے اٹھائے جانے کے متعلق قرآن وحدیث اور اہل

اسلام کے اجماعی عقیدے کے برعکس ایک منفرد عقیدہ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ بایزید کہتا ہے کہ مرشد کامل قیامت کے دن ایک "خاص ذکر" کی جو اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں دو آوازیں بلند کرے گا۔ پہلی آواز پر جو اس کے مرید قبروں میں سنیں گے تو اپنے جسموں کو حرکت دیں گے جب کہ ان کے سانس بھی حرکت کریں گے۔ اس وقت اس کے مرید پوری طرح زندہ نہ ہوں گے۔ اور نہ قبروں سے نکلیں گے۔ پھر جب بایزید کی " ذکر دوم " کی آواز سنیں گے تو اس پر پوری طرح زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔

یہاں اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ قرآن وحدیث کے مطابق قیامت کے دن دو دفعہ نفخ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندہ تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بیہوشوں کو افاقہ ہوگا۔ اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے۔ پھر خداوند قدوس وبرتر کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے۔ اس بے ہوشی سے جبریل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور ملک الموت مستثنٰی ہوں گے۔ جب کہ بعد میں ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے چنانچہ اس کے لئے سورہ زمر کی یہ آیت ملاحظہ ہو:۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے صور میں پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر پھونکی جائے دوسری بار تو فوراً کھڑے ہو جائیں گے ہر طرف دیکھتے۔

لیکن بایزید اس آیت کی صریح مخالفت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی دو آوازوں پر اس کے مرید زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے اور اس طرح کہ وہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام سے بھی اپنے لئے برتر اور منفرد مقام حاصل کرتا ہے۔

یہاں اس پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ بایزید کے مرید تو اس کی دو آوازوں پر زندہ ہوں گے۔ لیکن معلوم نہیں کہ وہ خود کس کی آواز پر زندہ ہوگا۔ اس نے صور اسرافیل سے اپنے آپ کو مستثنٰی کیا ہے۔ اور اپنے لئے حیاتِ ابدی کا قائل ہے حالاں کہ حیات ابدی وازلی صرف خدائے قیوم کے لئے ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی مدّ نظر رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا۔

بایزید نے اپنے متعلق قبر سے پہلے اٹھنے کی بات نہیں کی۔ لیکن اس نے اپنے الہام میں جس پیرائے میں بات کی ہے اس کی براہ راست زد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ارشاد گرامی پر پڑتی ہے اور حضورؐ سے اوّلیت کا ادعا سنگین عواقب ونتائج کا حامل ہے۔ (باقی صفحہ ۴۲ پر)

جناب ڈاکٹر ابوالفضل نجبت رواں
دانش آباد۔ پشاور یونیورسٹی

پاکستان اور عربی زبان

دنیا کے نقشے پر مذہب کے نام پر دو ریاستیں نمودار ہوئیں ایک ۱۹۴۷ء میں جس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ دوسری ۱۹۴۸ء میں وجود میں آئی جو نام نہاد اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ پہلی کو تمام ممالک نے تسلیم کر لیا اور دوسری کو تقریباً دنیا کے نصف ممالک نے مسترد کر دیا کیونکہ اس کا وجود غیر آئینی تھا۔

پہلی کو دو سو سال کے بعد آزادی ملی اور دوسری کو دو ہزار سال کے بعد۔ اکثر و بیشتر سیاستدان خیال کرتے ہیں کہ آخر الذکر ریاست چند سال کی مہمان ہو گی۔ اس لئے کہ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے یہودیوں کا اتحاد و اتفاق ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ یہ ریاست عرب ممالک کے قلب اور وسط میں قائم کی گئی تھی اور عرب اسے نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

مذہبی زبان عبرانی کے اپنانے سے یہودی ریاست کی مشکلات آہستہ آہستہ آسان ہوتی گئیں۔ کیونکہ زبان ریاست کے لئے بمنزلہ روح کے ہوتی ہے۔ روح کے دوام پر جسم کے دوام کا انحصار ہوتا ہے۔

عبرانی زبان اور اسرائیلی ریاست | جب یہودی کنیسہ (پارلیمنٹ) میں زبان کا مسئلہ زیر بحث آیا تو مختلف ممالک سے آئے ہوئے یہودی نمائندوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان کی مادری زبان اس ملک کی سرکاری زبان ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک نے کہا:۔

عربی زبان اس ریاست کی سرکاری زبان ہونی چاہئے کیونکہ یہ ریاست عرب سرزمین پر واقع ہے اور اس کے گرد و گرد کی ریاستوں کی زبان بھی عربی ہے۔

دوسرا بولا۔ نہیں نہیں، یہ دشمن کی زبان ہے اس کی سرکاری زبان انگریزی ہو گی کیونکہ یہ سائنسی اور سیاسی زبان ہے اس کے علاوہ اکثر یہود کی مادری زبان بھی ہے۔

تیسرا کہنے لگا۔ فرانسیسی اس ریاست کی زبان ہونی چاہئے کیونکہ یہ ادبی اور علمی زبان ہے۔

چوتھے نے کہا، ہم یہود قوم سے جرمن جیسے باہمت قوم بننا چاہتے ہیں یہ تب ممکن ہے کہ اس ریاست کی زبان جرمن ہو۔

پانچواں بولا۔ اگر تم اس ریاست کو وسیع ترین بنانا چاہتے ہو جیسا کہ تمہارا منشور ہے تو پھر روسی زبان اختیار کرو۔ اس کے مطالعہ سے روسی توسیعی پروگراموں سے مطلع ہو جاؤ گے۔ روسیوں کی طرح تمہارا بھی مشرق پر

تسلّط قائم ہوجائے گا۔ ہمارے ہاں روسی یہود کی اکثریت ہے وہ ہماری مدد کریں گے۔

چھٹے نے کہا ہم یہود فطرتاً سود خور ہیں دولت سمیٹنے میں جائز اور ناجائز کی پروا نہیں کرتے۔ جاپانی صنعت و حرفت حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ تجارتی روابط پیدا کرو۔ تاکہ اس کی دولت تمہیں حاصل ہو۔ یہ تب ممکن ہوگا جب آپ جاپانی زبان اختیار کریں گے۔

دینی زبان کا انتخاب | اکثریت کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے کنیسہ کے صدر نے اپنا فیصلہ سنایا اور اعلان کیا کہ اس ریاست کی سرکاری زبان عبرانی ہوگی جو دو ہزار سال پہلے ان کی زبان تھی۔ اس پر مخالفین نے ہنگامہ برپا کر دیا کسی نے کہا تم رجعت پسند ہو دو ہزار سال پیچھے ہمیں لے جارہے ہو۔ کسی نے کہا تم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دشمن ہو اس لئے سائنسی زبانوں سے انحراف کر رہے ہو۔

بعض نے کہا۔ یورپ اور امریکہ کے یہودی انگریزی کے بغیر ایک قدم بھی ترقی نہیں کر سکیں گے۔ عبرانی زبان مردہ ہوچکی ہے۔ مُردے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ ہم انگریزی کے بغیر ایٹم بم نہیں بنا سکیں گے۔ اور نہ جدید ترین ہتھیار بنانے کے قابل ہوں گے۔ دشمن کو شکست کیسے دیں گے؟ عظیم اسرائیلی ریاست کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

دینی زبان کی فضیلت | جب صدر کنیسہ پر مذکورہ اعتراضات کی بھرمار ہوئی تو اس نے مخالفین معارضین کو مطمئن کرنے کے لئے ایک پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ فرات اور نیل کے مابین ایک عظیم یہودی سلطنت قائم کرنے کے لئے یہود کی اتحاد و اتفاق کی اشد ضرورت ہے۔ ان کو متحد رکھنے کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ ہے عبرانی زبان۔ اگر عبرانی زبان تمہارے دین اور ثقافت کو اپنے سینے میں نہ لیتی۔ تو آج تک یہودی مذہب اور ثقافت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔ دیگر اقوام کی تہذیب میں تم گھل مل چکے ہو۔ یہ تو عبرانی کے طفیل یہودی دین اور ثقافت ہم تک پہنچی ہے۔ حالاں کہ دو ہزار سال سے یہ حکومتی سرپرستی سے محروم رکھی گئی۔ اس کے بولنے والوں کو قسم قسم کی اذیتیں دی گئیں۔ تاکہ صفحہ ہستی سے مٹادیے جائیں۔ لیکن عبرانی نے مٹنے نہیں دیا۔

تم کہتے ہو کہ یہ تمہاری مادری زبان نہیں بیشک ایسا ہی ہے۔ لیکن یاد رکھو یہ دینی زبان ہے اور دین مادر و پدر سے بہت پیارا ہوتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ تمہارے لئے اس میں بات کرنا محال ہے۔ درست ہے یہ تکلیف چند سال تک ہوگی پھر ہماری نسل اسے آسانی سے اپنا سکے گی تم معمر ہو اس دنیا میں چند دن کے مہمان ہو اپنی ذات کے لئے سوچنا چھوڑ دو اولاد کی فکر کرو۔

تم مسلمانوں سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ کہ جب تک وہ اپنی دینی زبان عربی کی مضبوط رسی میں منسلک تھے

تو دنیا میں ان کا بول بولا تھا لیکن جب وہ لسانی تنازعات میں پھنس گئے تو ان کا رعب داب خاک میں مل گیا۔

دینی اور روحانی زبان میں بلا کی قوت ہوتی ہے۔ اس میں اپنے عقیدت مندوں کو متحد رکھنے کی بے انتہا صلاحیت ہے۔ عبرانی زبان تمہیں وہی طاقت دے گی جو عربی زبان نے مسلمانوں کو دی تھی۔ تمہارا یہ کہنا کہ عبرانی کے سوا کوئی مشرقی (جاپانی) یا مغربی (انگریزی) زبان اختیار کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر وگے۔ یاد رکھو! جاپان اور اہل مغرب نے اپنی زبان کو استعمال میں لا کر موجودہ سائنسی اور صنعتی ترقی کو پہنچے ہیں۔

عبرانی زبان کے اثرات | یہود نے عبرانی کو اپنا کر سائنس کے میدان میں نہ صرف ایٹم بم بنا لیا بلکہ ادب کے شعبے میں ایسا ادب تخلیق کیا جس پر نوبل انعامات بھی مل گئے۔

۲۔ عرب جو یہود کے اولین دشمن ہیں عبرانی زبان سیکھنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ تمام عربی جامعات میں عبرانی کا اہتمام کیا جاتا ہے (راقم نے بھی عرب طلباء کے ساتھ پی ایچ ڈی کے سلسلہ میں چند ماہ عبرانی کا کورس کیا)

۳۔ تمام عربی عساکر میں عبرانی لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے تاکہ بوقت جنگ اس سے مستفید ہو سکے۔ (راقم کے پاس جامعہ بغداد کی چند طالبات آئیں۔ وہ فارسی اور عبرانی زبان میں مشورہ چاہتی تھیں۔ میں نے عبرانی کا مشورہ دیا۔ چند ماہ بعد انہوں نے احقر کا شکریہ ادا کیا۔ اس لئے کہ عبرانی کا انتخاب ان کے لئے مفید ثابت ہوا۔)

۴۔ نام نہاد یہودی ریاست کے گرد و پیش جتنی عرب ریاستیں ہیں ان سب سے روزانہ تین چار گھنٹے کے عبرانی زبان پر مشتمل پروگرام نشر کراتے جاتے ہیں۔ گویا یہود نے اپنی دینی زبان نہ صرف خود سیکھی بلکہ اپنے خون کے پیاسے دشمن (عربوں) کو بھی سکھا دی۔

۵۔ دنیا کی تمام مشہور یونیورسٹیوں میں عبرانی کی تدریس کا انتظام کیا گیا اور یہود ماہرین زبان ان میں متعین ہیں۔

۶۔ آپ اور ہم جب کبھی مقبوضہ فلسطین کی کوئی تصویر فلم وغیرہ ٹی وی پر دیکھتے ہیں۔ فلسطینی ہڑتالیوں کے اٹھائے ہوئے بورڈوں پر عبرانی صاف نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ دفتروں، دکانوں اور سکول و کالج کے سامنے بورڈوں پر لکھی ہوئی عبرانی دکھائی دیتی ہے۔

کیا ہم پاکستانی اپنی دینی زبان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کر سکتے جس طرح یہود نے اپنی دینی زبان کے ساتھ کیا؟ غور و فکر کا مقام ہے کہ ہم نے کتنی بڑی غلطی کی اور مزید یہ کہ ہمیں اس کا احساس تک بھی نہیں۔

بھارت اور دینی زبان | اسرائیل کو چھوڑیئے اپنے پڑوسی ملک بھارت پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیے یہ ایک وسیع ملک ہے جہاں سینکڑوں مکتب فکر کی قومیں آباد ہیں۔ ہندو مت، جین مت، بدھ مت، فارسی (زرتشتی) اور اسلام وہاں کے مشہور مذاہب ہیں۔ ہندو مت اکثریتی مذہب ہے۔ اس کی زبان سنسکرت (ہندی) ہندو روایات

و ثقافت کو ہزاروں سال سے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جس سے ہندؤوں کا روحانی اور نفسیاتی تعلق قائم ہے۔ چنانچہ ہندو قیادت نے بڑی ہوشیاری سے ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اس کے مقابلے میں جو نہایت مہذب زبان ہے اور ہند میں تمام اقوام کے مابین روابط سرانجام دیتی تھی اور اب بھی دے رہی ہے اور جس نے ہندوستانی ثقافت کو ہندی افلام (فلم) کے ذریعے سے تمام دنیا کو متعارف کیا۔ اردو کا صرف یہی قصور ہے کہ یہ ہندؤوں کی دینی زبان نہیں ہے ورنہ ہر لحاظ سے ہند کے لئے موزوں ہے۔

ہندی قیادت دیگر اقوام کو گمراہ کرنے کے لئے پروپیگنڈہ کر رہی ہے کہ بھارت لادینی ملک ہے یہاں دین کے نام پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت علیٰ دینی ملک ہے جس کی سرکاری زبان دینی ہے اور جو ہندو مذہب کو پنڈتوں کے ذریعہ دیگر مذاہب پر مسلط کیا جاتا ہے۔ پنڈتوں کو کھلی چھٹی ہے۔ میرٹھ شہر کے حالی ہنگامے ہندو مذہب والوں کی بالادستی کی زندہ مثال ہے۔

<u>بنگلہ دیش اور عربی</u> | بنگلہ دیش پاکستان کا ایک بازو تھا۔ یہ مغربی پاکستان کے ساتھ دینی اور روحانی رشتوں کی وجہ سے وابستہ تھا۔ اسے جب ہمارے دینی دعوے اور نعرے کھوکھلے نظر آئے تو شرپسند عناصر نے ہماری اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہمارا دایاں بازو ہم سے توڑ کر الگ کر دیا۔ پھر بھی ہمیں ہوش نہ آیا۔

حال ہی میں وہاں کی حکومت نے عربی کو سرکاری زبان قرار دے دیا گویا پینتیس سالہ دیرینہ مطالبہ اب پورا ہو گیا۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ہماری حکومت بھی اس قسم کا نہ صرف اعلان کرے بلکہ اسے عملی جامہ پہنا کر کروڑوں پاکستانیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کرے تاکہ عربی کی نسبت سے ہم عربوں اور بنگلہ دیشی بھائیوں کے نزدیک ہو سکیں۔

<u>پاکستان میں عربی</u> | ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا اور اس نومولود مملکت کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں نے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں مثلاً

۱۔ یہ اسلام کا مشرقی مرکز ہو گا یہاں سے اسلامی روایات اور تعلیمات کی روشنی مشرق و مغرب تک پھیلائی جائے گی۔
۲۔ انگریزی زبان اور اس کے ادب و ثقافت کا جنازہ نکال کر اس کی جگہ اسلامی زبان عربی اور ادب کو فروغ دیا جائے گا
۳۔ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔
۴۔ اسلامی روایات و مساوات کی احیا اس مملکت خداداد میں کی جائے گی۔
۵۔ قرآن اور احادیث نبوی کو اپنی اصل شکل میں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے عربی زبان کو فوقیت دی جائے گی۔

مذکورہ توقعات پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو گیا۔ الگ ہونے میں کوئی عیب نہیں ویسے بھائی، بھائی سے الگ ہوتا ہے۔ لیکن افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے تقریباً ایک لاکھ فوجی دو سال تک ایک ذلیل دشمن کے قید و بند میں رہے جب کبھی کوئی مورخ پاکستان کی تاریخ لکھے گا تو مذکورہ سانحہ اس تاریخ کا بدترین

باب ہوگا ؎ تن ہمہ پارہ پارہ شد پنبہ کجا کجا نہم

پاکستان میں زبان کا مسئلہ | پاکستان کے معرض وجود میں آنے ہی بہت سے مسائل پاکستانی قیادت نے حل کرنے تھے جن میں زبان کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء کے ابتدائی چند سالوں میں ملک کے دانشوروں میں پاکستان کی سرکاری زبان کے بارے میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے اسمبلی کے اندر اور باہر پاکستان کے طول و عرض میں درج ذیل قسم کے مطالبات پر زور دیا گیا۔

۱۔ پاکستان کی سرکاری زبان انگریزی ہوگی اس زبان کے بغیر ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں کر سکتے۔

۲۔ بنگالی اس مطالبہ سے بھڑک اٹھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ چونکہ وہ اکثریت میں ہیں اس لئے ان کی زبان پاکستان کی سرکاری زبان ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ انگریزی اس طرح اس ملک سے نکال باہر کرنی چاہیئے جس طرح اس کے بولنے والوں کو دھکیل دیا گیا۔

۳۔ کچھ حضرات جو پاکستان میں ہجرت کر کے آئے تھے نے اردو کی خدمات کو سراہا۔ اور پاکستان کے لئے موزوں ترین زبان قرار دینے لگے۔

۴۔ ادھر علاقائی زبانوں کے حامی لوگوں نے دبی زبان سے پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی کے مطالبہ کیا۔ کہ بھائی ہم بھی کسی سے کم نہیں ہماری زبانوں کو نظر انداز نہ کرنا۔ سندھ کے کچھ حضرات نے اپنے مطالبہ میں قوت پیدا کرنے کے لئے جلسے کئے اور جلوس بھی نکالے۔

۵۔ اہل فکر و نظر نے اسمبلی کے اندر عربی زبان کے لئے ہاتھ کھڑے کئے۔ اور فرمانے لگے کہ ہماری لسانی تنازعات کا واحد حل عربی ہے عربی اختیار کرو۔ سب نے کہا "آمنا و صدقنا" مگر انگریزی خوان طبقہ نے جس کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی اپنا مطالبہ عوام پر زبردستی مسلط کر دیا اور ایسا مسلط کیا کہ آج تک (۳۵ سال) انگریزی زبان دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اس کی نگرانی عیسائی مشنریوں کو سونپی گئی جس نے پبلک اور ماڈل سکولوں کے لباس میں مسلمان بچوں کے کچے اذہان میں یورپی ثقافت کی وقعت پیدا کر دی۔ اور اسلامی تہذیب سے متنفر کر دیئے۔

لطیفہ | کرنل امیر محمد خان صاحب جو آرمی ایجوکیشن کور کے ریٹائر افسر ہیں پاکستان اکیڈمی لاہور کے مجلّے میں لکھتے ہیں کہ برطانیہ کے ایک ماہر تعلیم نے مجھے کہا کہ میں اسے لاہور کا کوئی ماڈل سکول دکھاؤں۔ چنانچہ میں نے اسے ایک انگلش میڈیم سکول کی سیر کرائی۔ سکول ایک منہ بولتا انگریزی زبان و ثقافت کا نمونہ تھا۔

ماہر تعلیم نے کہا "تم واقعی بہادر قوم ہو۔ تم ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہو ایک ایسی زبان جو ہزاروں میل آپ سے دور ہے اور جس سے آپ کی روحانی اور نفسیاتی رشتہ بھی نہیں ہے، میں اپنے بچوں کو تعلیم دینا ایک ناممکن امر ہے

لیکن چونکہ آپ بہادر ہیں اس لئے آپ نے ممکن (آسان) بنا دیا۔ اور بحیثیت ماہر تعلیم اگر میں اپنی قوم کو مشورہ دوں کہ اپنے بچوں کو اردو میں تعلیم دیں تو وہ مجھے پاگل خانے کے اندر کر دے گی۔"

ایچ۔ ایم۔ متین اور عربی | جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹۵۰ء کے ابتدائی چند سال میں زبان کے مسئلے پر گرماگرم بحث پاکستان اسمبلی کے اندر اور باہر ہوتی رہی چنانچہ مذکورہ موضوع پر ایک وافر ادب معرض وجود میں آیا بہترین مضامین اور کتابیں تخلیق کی گئیں۔

ان میں ایچ۔ ایم متین صاحب کی کتاب "پاکستان کی قومی زبان" NATIQNAL LANGUGE OF PAKISTN کے موضوع پر ایک قابل ذکر شاہکار ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں لکھی گئی ہے ۴۲۹ صفحات پر مشتمل ہے مؤلف نے ۱۹۵۲ء میں عربی زبان کی حمایت میں تالیف کی ہے۔ بطور نمونہ آپ بھی چند اقتباسات کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ کتاب ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ عربی کے متعلق اہم بابوں کی سرخیاں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عربی زبان کے مصادر و منابع اور موجودہ حالت تک اس کی ترقی۔ ۲۔ عربی زبان اسلام سے پہلے اور بعد میں۔ ۳۔ احادیث نبوی کی تدوین و تالیف۔ ۴۔ مسلمانوں کے سنہری زمانہ میں عربی زبان کی تدریس و تعلیم۔ ۵۔ عربی میں علوم کا ترجمہ اور پھر اس سے دیگر زبانوں میں۔ ۶۔ عربی کا زوال۔ ۷۔ موجودہ دور میں عربی کی حالت۔ ۸۔ عربی زبان کا دیگر زبانوں پر اثرات۔ ۹۔ عربی بطور پاکستان کی قومی زبان۔ ۱۰۔ عربی زبان اور مسلمان۔ ۱۱۔ عربی کی طرف مسلمانوں کا میلان۔

عربی کی حمایت میں دلائل | شائقین حضرات مذکورہ ابواب کی تفصیل اصل کتاب میں مطالعہ کریں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف ان دلائل کا اختصار کے ساتھ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ جن کو متین صاحب نے بطور پیشین گوئی عربی کی حمایت میں لکھے تھے۔ ۴۰ سال پہلے انہوں نے جن خدشات و خطرات کا ذکر کیا تھا وہ اب ان کے مشورے کو نہ ماننے کی وجہ سے پاکستانی قوم پر آ پڑے ہیں۔

۱۔ عربی جاننا یا نہ جاننا ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم روحانی اور نفسیاتی طور پر عربی کی طرف مائل ہیں یہ اتنی مضبوط قوت ہے جس کے سامنے تمام مشکلیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

۲۔ ہم انگریزی زبان کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ ہم نے اسے سیکھا ہے اور دفتری زبان بنانے میں سہولت تو ہو گئی۔ لیکن روحانی اور نفسیاتی طور پر ہم اس سے متنفر ہیں۔ کیونکہ یہ اس قوم کی زبان ہے جس نے دو صدیوں تک ہمیں غلام رکھا۔ اگر ہم نے اسے قبول کیا تو ہم ثقافتی طور پر مکمل غلام رہیں گے۔ سیاسی غلامی سے ثقافتی غلامی زیادہ خطرناک ہے۔

۳۔ ہم اور بھارت والے بیک وقت آزاد ہوئے انہوں نے اپنی مذہبی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا ہے جو تقریباً مردہ زبان ہے۔ ہماری مذہبی زبان زندہ جاوید زبان ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت کے بے انتہا خزانے

اپنے اندر سموئی ہوئی ہے۔

۴۔ سنسکرت کو عربی سطح پر لانے میں کئی سال اور کروڑوں روپے خرچ کرنے ہوں گے ان مشکلات کے باوجود حکومت ہند نے اسے سرکاری زبان تسلیم کیا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہندو کا اتحاد و اتفاق صرف اسی سے ممکن ہے۔

۵۔ اسرائیل نے عربی حکومت (فلسطین) کے قلب میں عبرانی کو اس لئے سرکاری زبان کا درجہ دیا کہ یہود کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۶۔ کسی زبان کو سرکاری اور رسمی بنانے کے لئے قوم اور زبان کی نفسیاتی اطراف و جوانب کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ آج ہم عربی زبان پر اس طرح قادر نہیں جس طرح انگریزی پہ قادر ہیں تو نہ سہی لیکن آنے والی نسل روحانی جذبے کے ساتھ اس میں جلد ہی صلاحیت پیدا کرلے گی۔

۷۔ کون ہے جو عربی زبان پاکستان میں رائج کرنے پر اعتراض کرتا ہے۔ چند انگریزی خوانوں کے علاوہ ساری قوم اسے صدق دلی سے چاہتی ہے۔ اس کے برعکس سنسکرت کو تمام اہل ہند پسند نہیں کرتے لیکن قومی مفاد کی خاطر خاموش ہیں۔

۸۔ ہر پاکستانی اپنی علاقائی زبان، عربی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ ورنہ عربی کے علاوہ کوئی بھی صوبہ دوسری زبان کے انتخاب پہ اعتراض کر سکتا ہے۔

۹۔ کچھ لوگ اردو کے حامی ہیں لیکن بنگالی سخت مخالف ہیں۔ البتہ عربی پر انہیں اعتراض نہیں۔ ملک کے دونوں بازوؤں کا اتحاد صرف عربی سے ہی ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ عربی کے مخالفین یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ عربی زبان مشکل ہے لہٰذا اسے اپنانے میں کافی وقت ضائع ہو جائے گا۔ مگر لسانی اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہے کہ بنگالی، اردو اور دیگر علاقائی زبانیں عربی سے متاثر ہیں۔ ان میں ۳۰ سے لے کر ۵۰ فیصد تک عربی کے الفاظ موجود ہیں۔ اس حالت میں عربی غیر مانوس زبان نہیں جیسا کہ انگریزی ہے۔

۱۱۔ اگر ہم نے پاکستان کے لئے اردو اور بنگالی دونوں کو بیک وقت تسلیم کر لیا تو اس فیصلے سے انگریزی کو فائدہ پہنچے گا۔ انگریزی کی گردن صرف عربی سے توڑی جا سکتی ہے۔

۱۲۔ اگر ہم نے انگریزی زبان کو اپنایا تو لازماً اس کے ادب اور ثقافت کو بھی اپنائیں گے اس کے برعکس عربی زبان اختیار کرنے سے اسلامی ثقافت اور تعلیمات سے ہم کنار ہوں گے۔

مؤلف کی پیشین گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی اخلاق و عادات کا مالک ہو گیا انگریزی نے ہماری زبانوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ ایک انگریز لکھتا ہے "پاکستانی زبانوں میں مشکل سے آپ کو ایک جملہ ایسا ملے گا جس میں انگریزی کا کوئی لفظ استعمال نہ ہوتا ہو۔ ہماری نوکر شاہی جو علم و عرفان سے اکثر عاری ہوتے ہیں انگریزی زبان سے اپنی کمزوری اور جاہلیت کو چھپاتے ہیں"

بہترین سیرت کتب پر ایوارڈز

وزارت مذہبی امور نے بہترین "سیرت کتب" پر انعامات کے لئے درج ذیل دو مقابلوں کا اعلان کیا ہے

بین الاقوامی سیرت بک ایوارڈ

تین انعامات ۱۵۰۰۰/- امریکی ڈالرز، ۱۰۰۰۰/- امریکی ڈالرز اور ۵۰۰۰/- امریکی ڈالرز کے مساوی اردو انگریزی، عربی، فارسی اور دیگر دنیا کی ممتاز زبانوں میں ۱۲ ربیع الاول ہجری ۱۴۰۳ (۲۹ دسمبر ۱۹۸۲ء) کی تحریر کی ہوئی اور شائع کی گئی تین بہترین سیرت کتب پر دیئے جائیں گے۔

پانچواں قومی سیرت بک مقابلہ

دو انعامات اردو اور انگریزی میں ۲۵۰۰۰/- روپے ہر ایک کے لئے اور پاکستان کی تمام علاقائی زبانوں میں ہر ایک کے لئے ۱۰۰۰۰/- روپے کے انعامات ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ گزشتہ ایک ہجری سال کے دوران شائع کی گئی سیرت کتب پر دیئے جائیں گے اور جو مقابلے میں شامل ہونے والی کتابوں میں سے بہترین قرار دی گئی ہوں جو نزاعی مواد سے مبرا، غیر معمولی اعلیٰ تحقیق اور ادبی درجہ کی حامل ہونی چاہئیں۔

انٹریز بمعہ شائع شدہ کام کی دس کاپیاں ہر مقابلہ کے لئے علیحدہ پروفیسر آئی۔اے۔ سعید ڈائریکٹر (سیرت) وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد کو ۲۸ فروری ۱۹۸۳ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

کتابوں کے پیکٹ پر مقابلہ کا نام جس کے لئے انٹری دی جا رہی ہے، کا حامل ہونا چاہئے۔

مزید معلومات کے لئے اسلام آباد فون ۲۸۵۶۲ پر رابطہ قائم کریں۔

پروفیسر آئی اے سعید (ڈائریکٹر سیرت)

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد

پی آئی ڈی (اسلام آباد نمبر ۳۰۶۲/۸۲)

کھانسی کا حملہ
نزلہ زکام
کا دور
مناسب احتیاط اور سُعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
سُعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔
سُعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا
Sualin
A HERBAL CURE FOR
COUGH COLD AND BRONCHITIS
ہمدرد
نوزو
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔ ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔
Adarts
HSU-1/80

از ارشادات مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ
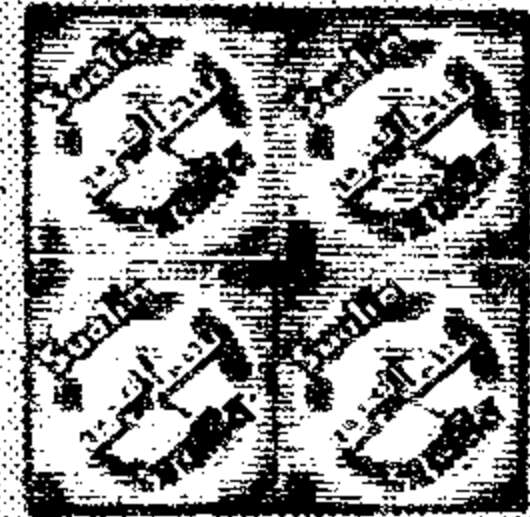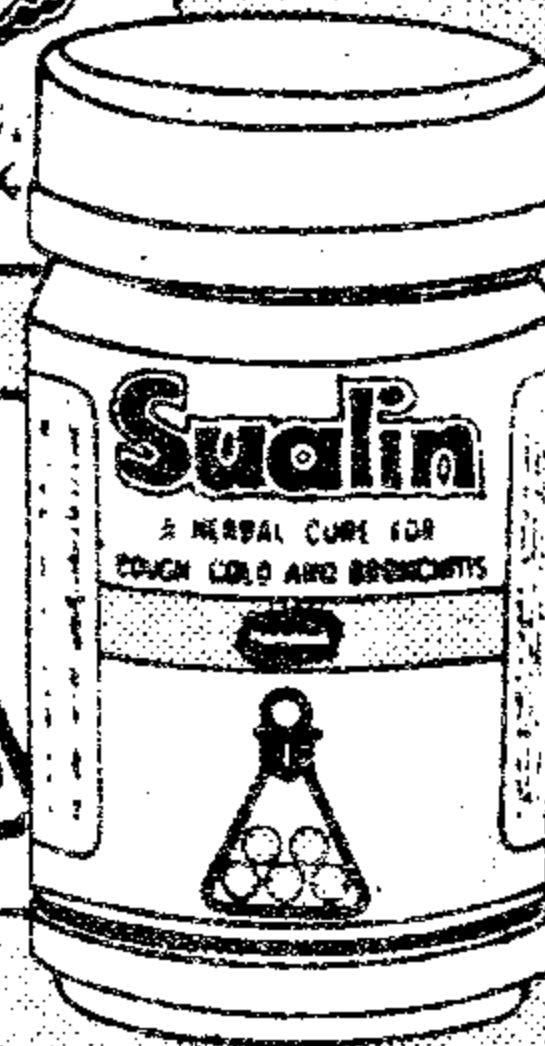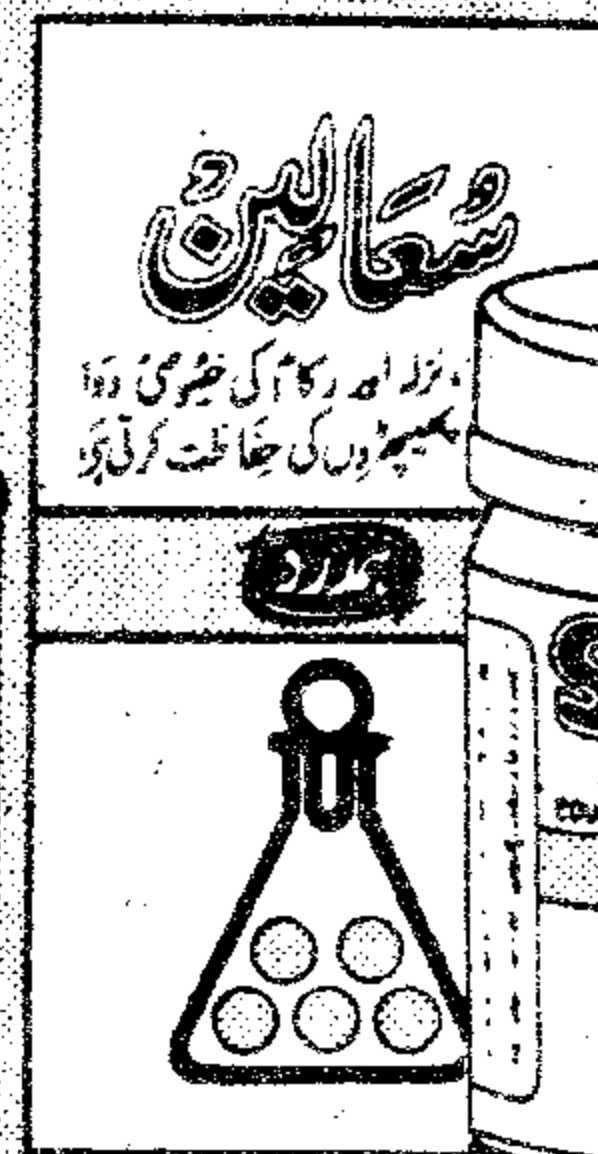
اصلاح نفس

اور

اصلاح معاشرہ

فرمایا - اس عالم میں بہت سی چیزیں جن کو آدمی دیکھتا نہیں مگر ان کے وجود کا یقین رکھتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر ان کے آثار اس طرح ہویدا و عیاں ہیں کہ آدمی ان کے وجود کو ماننے پر مضطر و مجبور رہے - مثلاً ہوا ہے کہ آدمی ہوا کو دیکھتا نہیں مگر اس کے اثرات دکھائی پڑتے ہیں - پتے ہلتے ہیں، ٹہنیاں ہلتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہوا چل رہی ہے - نیز بدن کو لگتی ہے جیسی ہوا ہوتی ہے گرم یا سرد اس کا احساس ہوتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ گرم ہوا چل رہی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

اسی طرح سردی کو آدمی دیکھتا نہیں مگر اس کا اثر آدمی کے بدن پر ہوتا ہے تو کمبل لحاف اوڑھتا ہے اسی طرح جب گرمی کا احساس ہوتا ہے تو پنکھا جھلنے لگتا ہے - کپڑے اتار دیتا ہے وغیرہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یقیناً وجود ہے بلکہ جملہ مخلوقات کا وجود انہیں کے وجود کا پر تو و مظل ہے اور تمام اشیاء انہیں کے موجود کرنے سے موجود ہوتی ہیں - اور وہ اپنے آثار سے بالکل ہویدا اور ظاہر ہے تاہم ان کو کوئی یہاں ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ دار دنیا اس کا محل نہیں ہے - آخرت میں مومن کو ذات عالی کا دیدار ہوگا - اور اس سے بڑھ کر کسی نعمت میں حظ و لطف نہ ہوگا - وجوہ یومئذ ناظرة الی ربہا ناظرة -

آخرت میں مومن ان آنکھوں سے دیکھے گا مگر یہاں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کے ذات و صفات کی کامل معرفت بھی نہیں ہو سکتی - اس لئے کہ جتنا ہم سمجھ سکتے ہیں اس کے وہ ورا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، وہ ذات وہم و تصور سے بالاتر ہے - ہاں اس کے آثار البتہ ظاہر و باہر ہیں - جملہ مخلوقات اُن کے وجود پر دال ہے اس مضمون کو ایک اعرابی نے نہایت عمدہ طریق سے بیان کیا ہے - کہ

البعرۃ تدل علی البعیر و آثار القدم تدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا تدل علی اللطیف الخبیر

مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے، نشانات قدم چلنے والے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف و خبیر پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

خود انسان کے اندر بہت سی چیزیں مستور ہیں۔ اور ہم اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ مثلاً بھوک، پیاس، غم، خوشی وغیرہ یہ سب چیزیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں۔ ہم ان کو دیکھتے تو نہیں مگر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ پس جب ہم اپنے اندر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر اس ذات لطیف و خبیر کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور جیسے ان چیزوں کو نہ دیکھنے کے باوجود ان کے آثار سے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ اسی طرح آثار و آیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح آدمی کے اندر اچھے برے اخلاق بھی مستور ہیں۔ مگر انہیں دیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ آثار سے پتہ چل جاتا ہے۔ کہ اس کے اندر یہ خلق موجود ہے۔ انہیں علامات و آثار کو دیکھ کر اس کی جڑ اور منشا کو آدمی سمجھ لیتا ہے چنانچہ مشائخ محققین اس معاملہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مثلاً کسی کے اندر تکبر کا مرض ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، خواہ اپنے علم پر ہو، یا اپنے عمل پر، یا حسب نسب پر ہو یا عبادت و ریاضت پر یا مال و دولت پر نازاں و مغرور ہو۔ کوئی دوسرا آدمی نہیں سمجھ سکتا اس لئے کہ یہ قلب کا فعل ہے اور قلب کے فعل پر دوسرا آدمی کیسے مطلع ہو سکتا ہے۔ مگر جب اس کے آثار ظاہر ہوں گے تو ہر عاقل و بصیر دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ شخص متکبر ہے۔ مثلاً یہ کہ ترفع و بڑائی کی باتیں کرتا ہے یا اپنے اخوان و احباب پر تقدم اختیار کرتا ہے اور ہر مجلس میں مقام صدارت پر ہی بیٹھتا ہے۔ اپنے قول و عمل سے اس کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ہر شخص اس کی باتوں کو سن کر اور اس کے افعال کو دیکھ کر یہ کہہ دے گا کہ یہ متکبر شخص ہے اور مرض کبر میں مبتلا ہے۔

اسی طرح غصہ کا مرض ہے کہ کسی سے طبیعت کے خلاف بات ہو گئی تو دل میں انتقامی جذبہ ابھرتا ہے ہیجانی کیفیت ہوتی ہے مگر یہ دل ہی دل میں رہے تو کچھ نہیں لیکن جب اس کا اثر باہر آ جائے، رگیں پھول جائیں، چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جائیں اور زبان سے اناپ شناپ باتیں نکلنے لگیں، گالی گلوچ بکنے لگے تو ہر آدمی کہے گا کہ اسے غصہ کی بیماری ہے۔

اسی طرح کینہ و حسد بغض کی بیماریاں ہیں، یہ سب امراض قلب ہیں جو قلب میں مستور ہیں۔ یوں آدمی

ذرا غور کریں تو اپنے امراض کو سمجھ سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں۔ اور اس کو عیوب نفس اور رذائل کا بصیر بنا دیتے ہیں۔ اور جب بصیرت حاصل ہو جاتی ہے تو اصلاح آسان ہو جاتی ہے۔ اور خودی و انانیت فنا ہو جاتی ہے۔ میرا ہی ایک شعر ہے

کھل گئی جب سے چشم بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

رذائل کا ہونا کچھ بعید نہیں۔ انسان خطا و نسیان سے تو مرکب ہی ہے۔ فضائل و رذائل کا مجموعہ ہے اور رذائل کے ہونے میں بھی بڑے مصالح ہیں ورنہ مجاہدہ کس چیز کا ہوتا۔ پھر تعجب کی بات کیا ہے۔ مگر یہ کہ آدمی اصلاح کرنے کا مکلف ہے لہٰذا اس کی سعی کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اگر یہ رذائل باقی رہے اور اسی میں آدمی مرا تو جہنم تک پہنچا دیں گے۔

مثلاً بدنظری کا مرض ہے تو باوجود خواہش کے نامشروع شئے کو دیکھنے سے روکے۔ ہزار جی چاہے مگر نظر نہ اٹھائے۔ مجاہدہ کرے کچھ دنوں کے بعد یہ مرض ختم ہو جائے گا۔ بدنظری ایسی بری بلا ہے کہ زنا تک پہنچا دیتی ہے اسی بنا پر خود اسے زنا کہا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو فرمایا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہماری مجلسوں میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر ٹپکتا ہے تو اس نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ فرمایا نہیں، مگر مومن کو نور فراست دیا جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے ہی تکبر کا مرض ہے۔ غصہ کا مرض، اس میں اپنی زبان کو روکے اور کوئی فعل ایسا صادر نہ ہو جو دوسرے کے لئے مضر ہو۔ یعنی ان امراض کے آثار سے آدمی اگر اپنے کو بچائے گا تو جڑ اور منشا جو قلب و نفس میں مستور ہے وہ مضمحل ہو جائے گا۔

آج کل عجب حال ہے ان باتوں کی طرف ذرا التفات نہیں۔ بدگمانی، تجسس، غیبت عام ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے منع فرمایا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا	اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو۔
مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا	یقیناً بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو
تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا	اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو۔

غور کیجئے کہ آج اس آیت پر کتنا عمل ہو رہا ہے۔ ہر مقام پر غیبت کا بازار گرم ہے اور اب تو یہ

مرض شغل مجلس ہوگیا ہے اور بدگمانی اور تجسس تو غیبت کے مقدمات ہیں ان کا شائع ہونا بھی مخفی نہیں ہے چنانچہ بدگمانی کا واقعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ایک آدمی چلا جا رہا تھا ایک دوسرے آدمی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا دوست جا رہا ہے۔ بعض دفعہ ایسی غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ جب قریب گیا اور چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارا دوست نہیں ہے تو اپنی اس غلط فہمی پر اس کی زبان سے لاحول ولا قوۃ نکل گیا اور کہا میں نے سمجھا تھا کہ ہمارا فلاں دوست ہے۔ بتائیے یہ کون سی خفگی کی بات تھی؟ مگر کیا ہوا سنئے۔ اس آدمی نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھ کر لاحول پڑھا اور بات تیز کرنے لگا۔ بہتیرا عذر کیا مگر ایک نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھا جبھی تو لاحول پڑھا جب بات بہت بڑھنے لگی تو وہ کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

دیکھئے، یہ ہے بدگمانی کا کرشمہ۔ آج کل اوہام وخیالات پر احکام کا ترتب ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت نقصانات ہو رہے ہیں مگر اسے کم کرنے والے بہت کم ہیں۔ قلوب کو باہم جوڑنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔ حالاں کہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے تاکہ تعلقات ٹھیک ہو جائیں اور باہمی نزاع وفساد ختم ہو جائے مگر اب زیادہ لوگ ایسے ہیں ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر کر کے فسادات میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دور تک پھیلا دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آپس کے نزاعات وفسادات ختم کریں، تعلقات کو توڑنے کی بجائے جوڑیں۔ ہمارا ہی ایک شعر ہے ؎

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

فساد کے ختم ہونے کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کی جائے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے تو نزاعات وفسادات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے برتر سمجھے گا تو اگر اس سے کوئی ناگوار بات ہو جائے گی تو درگذر کرے گا اور اپنے کو اس سے زیادہ مستحق سمجھے گا۔ اور اس سے معافی مانگے گا۔ تو پھر فساد کیسے بڑھے گا بلکہ ہوگا ہی نہیں اور ہوگا تو حد کے اندر رہے گا۔

الحمد للہ! میرے اندر یہ بات ہے کہ اگر کسی کو مجھ سے اذیت پہنچ جائے بلکہ اذیت کا مجھے خیال ہو جائے کہ شاید میری اس بات سے تکلیف پہنچی ہو تو جب تک اس سے معافی مانگ نہیں لیتا چین نہیں ملتا۔ مجھے الحمد للہ معافی مانگنے میں ذرا عار نہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ تواضع کا معاملہ فرمایا ہے تو ہم تنہا کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا حال ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔ نبی پر ایمان و

محبت کا یہی تقاضا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ تو یہ اتباع ہر شان و شعبہ میں ہوتا ہے۔ ظاہر میں، باطن میں، اخلاق میں، معاملات میں، اخلاق میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں بلکہ اس میں اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ مگر آج کل اصلی اخلاق تو کیا رسمی اخلاق بھی نہیں۔ زبان سے بھی ہمدردی و غمخواری کی باتیں عنقا ہو گئی ہیں۔ اخلاق کی حقیقت تو کیا اس کی صورت بھی باقی نہ رہی۔ مثلاً یہ کہ کسی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کے سامنے رنج و غم کا اظہار ہی کر دیں۔ مگر اب دن بدن یہ چیزیں بھی کم ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے باہمی الفت و محبت بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جب دل میں کسی کا پاس و لحاظ نہ رہے گا۔ خوشی غمی میں کسی سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد سارے عالم میں عام ہو جائے گا جو روکے نہ رکے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہے۔

ہاں تو میں نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر تواضع کی صفت و عادت اپنے اندر پیدا کر لی جائے تو باہم اتفاق اتحاد کا ہو جانا آسان ہے اور یہ تواضع بھی قلب کا فعل ہے۔ ظاہر میں اس کے آثار جب نمودار ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص متواضع ہے۔ مثلاً اپنے بھائیوں کے سامنے جھک کر معاملہ کرنا، نرم بات کرنا۔ عفو و درگذر کرنا وغیرہ۔

چنانچہ اکابر کے عفو و درگذر کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں۔ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ:۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان کو ریاکار کہنے لگے۔ ایک مرتبہ وہ سجدہ میں تھے کہ کچھ لوگوں نے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس کی وجہ سے چہرہ بری طرح سے جل گیا مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس کا احساس ہوا پوچھا یہ کیا ہوا تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں فلاں نے یہ ناشائستہ حرکت کی ہے۔ تو آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ حالاں کہ اس جلنے کی تکلیف عرصہ تک رہی۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے اکابر کا۔ نماز کا حق تھا اس کا کیسا حق ادا کیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مناجات کر رہے تھے کہ سر اور چہرہ جلنے کا احساس تک نہ ہوا اور پھر مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا کہ ان لوگوں کو معاف فرما دیا۔ یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ اوپر سے کسی نے راکھ ڈال دی۔ اور سب راکھ حضرت شیخ کے سر پر پڑی۔ سب کپڑے خراب ہو گئے۔ تو فرمانے لگے الحمدللہ! مریدوں نے پوچھا کہ آپ الحمدللہ کس بات پر فرما رہے ہیں۔ ان پر بددعا فرما دیجئے تو فرمایا کہ جو سر آگ برسائے جانے کا مستحق تھا اس سے راکھ پر اکتفا کر لیا جائے تو شکر کا مقام نہیں ہے؟

سبحان اللہ! یہ تھا مقام تواضع ہمارے سلف کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے طریق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ مولانا خالد رومیؒ کو لکھتے ہیں کہ

"کسی سے انتقام لینا ہمارے آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ صبر و عفو صوفیہ کی ایک ادنیٰ عادت و خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنی برائی کی مدافعت عمدہ خصلت اور اچھائی کے ذریعہ کرو۔"

ہمارے اکابر نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی عزت و عافیت سے نوازا۔ اور دنیا اب تک ان کو یاد کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو امت محمدیہ کے بہت بڑے آدمی سمجھے گئے ہیں اپنے وقت کے قطب تھے ان کا واقعہ ہے کہ

ایک بار ایک گروہ فقراء سے ملاقات ہوئی ان سب نے آپ کو گالیاں دیں اور کہا کہ

"اے اعور (کانے) اے دجال، اے حرام چیزوں کو حلال کرنے والے۔ اے قرآن تبدیل کرنے والے۔ اے ملحد۔ اے کتے" آپ نے اسی وقت اپنا سر کھول کر زمین بوسی کی۔ اور کہا اے میرے سردارو! مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ مجھے تمہارے حلم سے یہی امید ہے اور ان کی دست بوسی فرمائی۔ جب آپ نے اس خوشامد سماجت سے ان کو مجبور کر دیا تو ان سب نے کہا کہ ہم نے تم سے زیادہ کسی فقیر کو متحمل نہیں دیکھا کہ اتنا کچھ ہم نے کہہ سنایا مگر تم متغیر تک نہ ہوئے۔ آپ نے کہا یہ سب تمہاری برکت اور عنایت ہے۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس واقعہ سے ہم کو راحت ہوئی۔ انہوں نے اپنے جی کی بھڑاس ہم پر اتار دی۔ دوسروں کے مقابلہ میں ہم ہی اس کے زیادہ مناسب تھے۔ ممکن تھا کہ یہ باتیں وہ کسی اور سے کہتے اور وہ متحمل نہ ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ کتنے عفو و درگذر تواضع و انکسار کے واقعات ہیں۔ آج اگر ہم لوگوں کو وہ واقعات مستحضر ہوں تو بڑی عبرت و نصیحت ہو۔ چنانچہ کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی مہمان ہوا۔ آپ نے اسے کھلایا پلایا اور سونے کا انتظام فرمایا تو جس حجرے میں انتظام فرمایا تھا باہر سے اس کی کنڈی لگا دی۔ کہ صبح آکر

کھول دیں گے۔ باہر سے کنڈی بند تھی اس لئے حجرے ہی میں بستر پہ پاخانہ کر دیا۔ جب صبح ہوئی کنڈی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ نے کھولی تو یہودی فوراً کھسک گیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو خود بنفس نفیس بستر اٹھایا اور دھونے لگے۔ صحابہ بڑھے اور اس خدمت کو انجام دینے کی درخواست کی۔ تو فرمایا، نہیں بھائی وہ میرا مہمان تھا اس لئے بستر میں ہی دھوؤں گا۔ بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ پانی ڈال دو۔ چنانچہ صحابہ پانی ڈال رہے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر صاف فرما رہے تھے۔

ادھر جب مہمان کچھ دور گیا تو اپنی تلوار یاد آئی جس کا دستہ سونے کا تھا اب سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے۔ شرم و ندامت سے طبیعت رکتی تھی کہ جو ایسی حرکت کر کے آیا ہوں لوگ کیا کہیں گے۔ اور حرص اور حب مال کا یہ تقاضا تھا کہ واپس چلنا چاہئے ورنہ بہت نقصان ہوگا۔ بہر حال یہی غالب آیا اور گیا تو دیکھا کہ پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس کے پاخانہ کو دھو رہے ہیں۔ وہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سے بھی بستر دھلا سکتے تھے مگر خود دھویا۔ سبحان اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے۔ اللہ اکبر۔

دوسرا واقعہ سنئے۔ کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو چھڑی سے آہستہ سے کونچ دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ اعلان فرمایا کہ کسی کا کچھ حق میرے ذمے ہو تو یہاں ہی لے لے۔ اور اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہاں ہی بدلہ لے لے۔ چنانچہ وہ صحابی تھے اور کہا کہ فلاں موقع پر جناب نے چھڑی سے میرے بدن میں کونچ دیا تھا۔ لہذا اس سے مجھے تکلیف پہنچی تھی اس کا بدلہ لوں گا۔ تو فرمایا کہ بخوشی تم کو اجازت ہے۔ صحابی نے کہا اس وقت میرے بدن پر کرتا نہیں تھا اور آپ کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ لہذا آپ اپنا کرتا اتار دیجئے تب بدلہ لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً کرتا اتار دیا اور فرمایا تمہیں اختیار ہے۔ صحابی نے بڑھ کر مہر نبوت کو چوما اور کہا میری کیا مجال ہے کہ بدلہ لوں۔ مگر میری مدت سے یہ خواہش تھی کہ مہر نبوت کو بوسہ دوں۔ اس لئے ایسا کیا۔

اب غور فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی شان تھی کہ ایک ادنیٰ سے اس طرح معاملہ فرما رہے تھے۔ بیشک نبی کی یہی شان ہوتی ہے۔ ان کے خوف آخرت کا یہی حال ہوتا ہے۔ آپ یہی اسوۂ حسنہ چھوڑ کر ہم سے جدا ہوئے۔ ہم اس پر جب تک عمل پیرا ہوں گے عافیت میں رہیں گے۔ اور جب اسے چھوڑ دیں گے تو فساد و نزاع کے شکار ہو جائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بحرمت سید النبی الکریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ اجمعین۔

اب تیسرا واقعہ سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابن سعفہ یہودی کا قرض دینا تھا۔ وہ تقاضا کے لئے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے کی چادر اتار لی اور کرتا پکڑ کر سختی سے بولا۔ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے رہے۔ اس کے بعد عمر فاروق سے فرمایا کہ عمر! تم کو مجھ سے اور اس سے دوسری طرح سے برتاؤ کرنا چاہیئے تھا۔ تم مجھے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہیئے اور اسے کہتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہیئے پھر زید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے جھڑکا ہے۔

سبحان اللہ! کیسی تعلیم تھی اپنے اصحاب کو۔ جس کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے اور ان کے نفوس کا کامل تزکیہ ہوا۔

ان واقعات میں ہمارے لئے بہت ہی عبرت و نصیحت ہے کہ ہمیں بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیئے اور لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم کرنی چاہیئے۔ اگر آج ان باتوں پر عمل ہو تو پھر اصلاح عام ہو جائے اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے ==

بقیہ ۳۳ **تحریک روشنیہ** مذکورہ الہامات میں بایزید نے چند دعوے کئے ہیں۔

اولاً یہ کہ اس نے اپنے اور مریدوں کے گناہ اللہ تعالیٰ سے بخشوا لئے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ اس نے اپنے اوپر اور اپنے مریدوں پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل کرائی ہیں۔

ثالثاً یہ کہ حدیث نبوی کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنے اوپر اور اپنے مریدوں پر رحمتیں اور برکتیں بھجوائی ہیں۔

رابعاً یہ کہ وہ قیامت کے دن اپنے لئے اور اپنے مریدوں کے لئے ایک امتیازی شان اور قابل رشک مقام کا مدعی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اور اپنے مریدوں کو "خوف خاتمہ" سے بالکل مامون کر دیا ہے اور اہل بہشت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام سے امتیازی شان کے حامل ہونے کا دعویٰ الگ ہے۔ اس لئے حضرت اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں اسلامی عقائد و مسائل کی تبلیغ و توضیح کرتے ہوئے مسلمانوں کی بروقت صحیح رہنمائی کی۔ چنانچہ فرمایا

" گاہی پیران خود را خدا نی گویند و بعضے پیغمبری گویند۔ و بعضے مامون از خوف خاتمہ و اہل بہشت یقین می دارند و بدیں معتقدات کافر می گردند (تذکرۃ الابرار والاشرار ۱۳۸)

ترجمہ: کبھی اپنے پیروں کو خدا کہتے ہیں اور بعض ان کو خوف خاتمہ سے مامون اور اہل بہشت یقین کرتے ہیں اور ان معتقدات پر کافر ہو جاتے ہیں +

جناب محمد عبداللہ صاحب حیدرآبادی
آئی۔اے۔ایس (ریٹائرڈ)

کسبِ دُنیا اور طلبِ دُنیا میں فرق

اسلام کسبِ حلال سے منع نہیں کرتا بلکہ اس پر زور دیتا اور اسے فرض قرار دیتا ہے کہ آدمی حصولِ معاش میں حلال اور حرام کی تمیز کرنے اور حدودِ مقررہ سے آگے نہ نکلے۔ حُبِ دنیا یعنی دنیا کی محبت سے منع کیا گیا ہے۔ کہ یہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ حُبِ دنیا جو حرام ہے اس سے مراد دنیا کو "معاد" سے قطع نظر کرکے دنیوی زندگی کو بالذات محبوب و مطلوب بنانا ہے۔ ورنہ مالی اور دنیاوی نفس محبت تو طبعی اور خداداد ہے۔ اسلامی معاشیات کے منافی وہ حبِ دنیا ہے جسے جدید معاشیات نے کسی نہ کسی درجہ دین اور معاد سے کاٹ کر بالذات محبوب و مطلوب بنا رکھا ہے۔ ورنہ نفس کسبِ دنیا تو اسلام کی معاشی تعلیمات کی رو سے بعض قیود کے ساتھ ضروری ہے۔ شریعت کی رو سے تجارت کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح زراعت کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ زندگی موقوف ہے ان چیزوں پر بلیں ضروریاتِ زندگی (معاش) کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ یہ ہے کہ بعض کے کرنے سے وہ کام بقیہ لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ ورنہ سب پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام کسبِ دنیا سے منع کرتا ہے۔ قرآن نے تو روزی کمانے اور تلاشِ معاش کو "اللہ کا فضل" تلاش کرنا قرار دیا ہے۔ بھلا اس سے کون منع کرسکتا ہے۔ البتہ "محبتِ دنیا" اور اس میں استغراق جائز نہیں کہ جس کے نتیجے میں انسان آخرت سے غفلت برتے۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال بلکہ نہ ختم ہونے والی ابدی زندگی کے مقابلہ میں ساٹھ ستر برس کیا سو دو سو برس یا عمرِ نوحؑ ہی کوئی بساط کتنی کہ بذاتِ خود اس کے کسی مسئلہ کو اتنی اہمیت دی جائے اور اس کو اس درجہ مشکل اور لاینحل سمجھ کر زندگی کا ہر لمحہ اور ہر نفس اس کے لئے وقف کر دیا جائے۔ اسلام کی نظر میں تو دنیا کی اس زندگی کے وہی مسائل لائقِ التفات ہیں جن کا دامن واسطہ یا بلا واسطہ کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی درجہ میں آخرت سے بندھا ہوا ہو۔ یہ تو معاشی مسائل اور مشکلات کا سب سے پہلا اسلامی اصول ہوا۔ کہ دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی غیر فانی زندگی، یا معاش کو معاد کے ساتھ جوڑنے اور بالکلیہ اس کے تابع اور اس کے ماتحت کرنے کی صورت

معاشی مسائل و مشکلات اس معنی میں اور اس حد تک سرے سے مسائل اور مشکلات ہی نہیں رہتے جس معنی میں اور جس حد تک "غیر منادی" معاشیات نے ان کو سمجھ اور بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چونکہ خدا کا خلیفہ اور امین کا منصب دے رکھا ہے اس لئے لازم تھا کہ خلافت اور امامت کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بقدر اس کو ارادہ کی آزادی اور اختیار بھی عطا ہوا۔ اور اسی آزادی اور اختیار سے وہ اپنی دنیوی زندگی یا معاشی حاجتوں کی سربراہی میں کام لیتا۔ مگر خدا کا خلیفہ اور بندہ رہ کر نہ کہ خدا کا منکر ہو کر۔ ارشاد خداوندی ہے:

"تمہارے اموال اور اولاد تم کو خدا کی یاد اور اطاعت سے غافل نہ کر دیں جو ایسا کریں گے وہ گھاٹے میں رہنے والے ہوں گے۔" (منافقون رکوع ۲)

اسلام نے انسان کی انسانیت یا تکوینی فطرت کو خلافت قرار دیا ہے اس کی نشو و نما تکمیل و تربیت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ زندگی کے تمام دائروں اور شعبوں میں افراد کو جبر سے نہیں بلکہ اپنے اختیار اور رضا سے خیر کو اختیار کرنے۔ اور شر اور گمراہی کو ترک کرنے کی زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور خارجی پابندیاں کم سے کم ہوں بس اس درجہ میں کہ کسی فرد کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ اس لئے حکومت کا کام انفرادی آزادی کی طرف اس حد تک نگرانی اور روک تھام کرنا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے محل اور مقام کے اعتبار سے، اپنی انسانیت کی تکمیل میں دوسروں کی مداخلت و مزاحمت سے محفوظ رہے۔ معاشی دائرہ میں ایک طرف حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے شہریوں میں ایک فرد بھی اتنا تنگ دست نہ رہنے پائے کہ اسے یہ فکر لگی ہو کہ کل اس کے بچے کیا کھائیں گے۔ اور دوسری طرف وہ اغنیاء اور مالداروں کو اتنی آزادی نہ دے کہ وہ عیاشی اور اوباشی یا لہو لعب اور مسرفانہ عادتوں میں من مانے طور پر اپنا مال اڑاتے رہیں۔ ساتھ ہی ان کے مال سے قانونی اور جبری طور پر وہ اتنا حصہ وصول کرے جس سے دوسروں کی فاقہ کشی اور تنگ دستی دور کی جا سکے۔ مگر "سرمایہ داری" کو اپنی بنا کر حکومت کو اس کا بالکل حق نہیں کہ وہ زائد دولت رکھنے والے افراد کی زائد دولت سلب کر کے ان کو صرف دولت کے اختیاری فضائل و کمالات کے ان مواقع سے محروم کر دے جو وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کام لے کر انفرادی طور پر کر سکتے تھے۔ اور جس سے ان کے اصلی انسانی جوہر یا اختیاری فطرت اور اخلاقی جوہر کو جلا ملتی۔ البتہ حکومت کو اس کا نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ شراب و کباب اور دیگر منشیات رقص و سرود، سینما تھیٹر، جوا اور گھوڑ دوڑ بلکہ بیڑی اور سگریٹ تک کی نوعیت کے بیشمار رائج الوقت فضولیات اور بے راہ رویوں کو قانوناً ناجائز قرار دے دے جن سے امیروں کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ خیر خیرات، رفاہی امور اور صحیح انفاق کے بجائے ضرر رساں فضول خرچیوں میں اڑانے کی ترغیب و تحریص ہوتی ہے۔ اور جس سے معاشرہ کا نہ صرف دینی، روحانی اور اخلاقی قوام بگڑتا ہے بلکہ دنیوی و جسمانی

نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور معاشرہ ذہنی بے راہ روی اور تخریبی کاموں کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔ غرضیکہ اسلام ایک بالکل مربوط اور متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے جو اشتراکیت اور زری انفرادیت کے مضر عناصر سے پاک اور ان کی خوبیوں کا جامع ہے۔ سرمایہ پرستی کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لئے اسلام نے سلبی اور ایجابی دونوں طریقے اختیار کئے جن کی وجہ سے پہلے تو سرمایہ داری کبھی اسلام میں جگہ ہی نہیں پا سکتی پھر جو کچھ سرمایہ پیدا ہوتا ہے اس پر ایجابی حدود اور شرائط عائد بھی کئے تاکہ توازن دولت قائم رہے۔

"کہیں ایسا نہ ہونے پائے کہ دولت تمہارے مالداروں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے" (سورۃ حشر)

اللہ تعالیٰ ہی کو دولت اور دولت کے مآخذوں کا حقیقی مالک قرار دیا گیا اور انسانوں کی حقیقی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی۔ وہ دولت کے محض امین ٹھہرائے گئے۔ ہماری اصطلاحی ملکیت کے معنی صرف تمتع کے حقوق کے ہیں۔ از روئے قرآن ساری دولت کو متاع کی حیثیت دی گئی ہے۔ "متاع" سے استفادہ کے لئے حدود و شرائط قائم کئے گئے اسلامی حکومت اس کی نگران قرار پائی تاکہ "معاشی توازن" اور سماجی انصاف برقرار رہے۔ مذہبی پیشوائی کے روپ میں مال کے ناجائز حصول کو ممنوع قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کو ناجائز قرار دے کر مذہبی اور معاشی اصلاح کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم اٹھایا۔

"پیدائش دولت" "صرف دولت" اور "تقسیم دولت" پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں۔ مثلاً سودی عناصر کو بے دخل کیا گیا۔ سود خور سرمایہ داروں کے خلاف ایک محاذ جنگ کا اعلان ہوا۔ سود کے سارے بقایا کو یک قلم منسوخ کیا گیا ذخیرہ اندوزی۔ احتکار اور اکتناز (زر اندوزی) کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اس پر وعید فرمائی گئی۔ تباہ کن ناجائز اجارہ داری کا خاتمہ کیا گیا۔ خاص خاص ذرائع دولت کو "مفاد عامہ" کی خاطر حکومت کی ملک قرار دیا گیا۔ محفوظ اور ترقی پذیر سرمایہ پر سماجی تحفظ کا ٹیکس عائد کیا گیا۔ یعنی زکوٰۃ۔ اس کے منکرین کو دائرۂ اسلام سے خارج ٹھہرایا گیا انہیں ارتداد اور بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا۔ جن کے خلاف جہاد واجب ٹھہرا۔ حالات غیر معمولی پیش آجائیں اور عام حدود کی پابندی اور زکوٰۃ عشر وغیرہ محاصل، عام قومی احتیاجات کے لئے ناکافی ثابت ہوں تو اہل الرائے کا یہ فتویٰ ہے کہ مالداروں کے زر و مال میں زکوٰۃ کے سوائے بھی اہل حاجت کا حق ہے اور ہر بستی کے اغنیاء کا فرض ہے کہ اہل حاجت کی ضروریات کی تکمیل کریں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دان پن اور بھکشا کو نیکی قرار دے کر گداگروں اور سائلوں کے ایک غیر ذمہ دار آوارہ منش اور نکموں کے طبقہ کی پرورش کی جائے۔ "سوال" کرنے کو تو اسلام نے حرام کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بھیک مانگنے والے بلکہ بھیک دینے والے بھی مجرم قرار دئے گئے ہیں۔ حدیث نبوی صلعم ہے کہ باوجود غنی اور توانا ہونے کے جو بھیک مانگتا ہے وہ جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے۔

اسلامی نظریہ کے تحت بنیادی ضروریات میں نہ صرف ایسی غذا جو انسانوں کی زندگی اور ضروریات کارکردگی کے لیے ناگزیر ہے اور ایسا لباس جو گرمی اور سردی میں صحت اور قوت کو برقرار رکھ سکے۔ اور ایسا مکان جو بارش اور گرمی و سردی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ اور راہ گیروں کی نظروں سے ان کی خلوت کی پردہ داری ہو سکے بلکہ طبعی ضروریات حتیٰ کہ کسی معذور و مجبور کے لیے کسی خدمت گار کی ضرورت ہو تو اس کی فراہمی تک بھی ضروری ہے۔ اور قرآن کریم کے صریحی احکام کی رو سے والدین کے ساتھ احسان لازمی ہے۔ نیز اہل قرابت۔ یتیموں، مسکینوں، رشتہ داروں، ہمسایوں، دوستوں، ہم وطنوں، مسافروں، لونڈی غلام اور خادموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ (سورہ نساء) معاشی احتیاجات کے معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا گیا بلکہ غیر مسلم پڑوسیوں اور ہم وطنوں کو بھی خاص صراحت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

منشاء یہی ہے کہ معاشی مسائل کے حل میں مشترکہ اور عام سطح برقرار رکھی جائے۔ سوشلزم یا کمیونزم کے برخلاف اسلام نے نظام معیشت کے عناصر میں سدرجہ محکم غیر متزلزل اور حکیمانہ بنیاد فراہم کی ہے۔ یہ بنیاد اس کے لیے ایمانی تصورات اور عقائد اور ان سے پیدا ہونے والے اخلاقی اصول ہیں۔ اشتراکی مقاصد کو بام عروج تک پہنچانا ہو تو اس کے لئے اسلام ہی کی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اسلام کی الٰہی حکومت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی نمونہ ہی انسانیت پرور، ترقی افزا اور پائیدار منصفانہ معاشی نظام فراہم کرتا ہے۔ اس لئے اسلام ہی انسانیت کا روشن مستقبل ہے۔

اسلام کے بارے میں خود لینن کے اظہار خیال کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ کہتا ہے:۔

"دنیا میں جب کبھی اعتدال قائم ہوگا تو اس کی صورت سوائے اسلام کے اور کہیں نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسلام کا نظام نوع انسان کی بقا کے لئے ایک بہترین ضمانت ہے۔"

ڈاکٹر محمد حنیف صاحب۔ پروفیسر شعبہ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور

مشاہیر علماء سرحد

مشائخ دیوبند کے فیض یافتہ عالم و فاضل شخصیت

مولانا احمد حلیم باجوڑی مدظلہ

خاندانی حالات | آپ کا شجرہ نسب چھٹی پشت میں دانشکول کے مشہور ولی اللہ حضرت ولی محمد المعروف بہ موزادہ ولی بابا رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ موزادہ ولی کی اولاد "موزادی خیل میاگان" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور علاقہ باجوڑ اور مہمند میں مختلف مقامات پر کثیر تعداد میں آباد ہیں۔

لے موزادہ ولی بابا حضرت سید آدم بنوری (متوفی ۱۰۵۳ھ ۱۶۴۳ء) کے خلیفہ تھے۔ آپ کا شمار گیارھویں صدی ہجری کے مشاہیر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ چونکہ بچپن ہی سے آپ پر نیکی کے آثار نمودار تھے اس لئے "مادرزاد ولی" کے نام سے مشہور ہوئے۔ مستجاب الدعاء اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ خداوند تعالیٰ آپ کی دعا سے ہر قسم کے مریضوں کو شفا عطا فرماتا۔ اس وجہ سے "شیخ الامراض" کے نام سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت موصوف کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی مشہور تاریخی شخصیت گورنر نواب مہابت خان (متوفی ۱۰۸۵ھ ۱۶۷۴ء) بانی مسجد مہابت خان پشاور کی صاحب زادی تھیں جن کے ہاں تین فرزند پیدا ہوئے۔ یعنی محمد انور بابا — عبداللہ اور نجیب اللہ۔ مذکورہ تینوں حضرات کی اولاد باجوڑ ایجنسی میں مختلف مواضعات میں آباد ہے۔ آپ کی دوسری بیوی لالپورہ (علاقہ مہمند) کے موسیٰ خیل خوانین کے گھرانے سے تھیں۔ موصوفہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام یار محمد خان تھا۔ یار محمد خان مذکور کی اولاد (غالباً) علاقہ مہمند میں آباد ہے۔

حضرت موزادہ ولی بابا لالپورہ سے کوئی دو میل دور واقع ایک گاؤں "کام لالپورہ" میں رہائش پذیر تھے آپ نے یہیں وفات پائی۔ مگر آپ کی اولاد نے انہیں وہاں سے لاکر دانشکول میں سپرد خاک کیا۔ آپ کا مزار دانشکول میں مرجع خاص و عام ہے۔ باجوڑ اور مہمند کے معتقدین نے ہزاروں جریب زمین آپ کے نام پر وقف کردی جو آج تک آپ کی اولاد کے تصرف میں ہے۔

حضرت ولی محمد بابا کے ایک فرزند محمد انور بابا دانشکول سے باجوڑ تشریف لائے اور علاقہ ماموند کے قصبہ "برہ باندہ" میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار اسی گاؤں میں ہے۔ اور "ایلغنی بابا" کے نام سے مشہور ہیں۔ محمد انور بابا کی اولاد سے مولانا احمد حلیم صاحب کے پردادا مولانا سامع الدین کو اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بدولت بہت شہرت حاصل ہوئی۔ آپ بوکتی کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ جہاں پر آپ نے علوم دینیہ کی اشاعت و تشریح کی خاطر ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا جس میں طالبان حق علوم متداولہ کی تحصیل کے ساتھ ساتھ تزکیہ باطن کی تربیت بھی حاصل کرتے تھے۔ مولانا احمد حلیم صاحب اسی علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

آپ کا نام احمد حلیم والد ماجد کا نام نور رحیم اور دادا کا نام عبدالعزیز تھا۔ حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں بمقام شریف خانہ علاقہ چارمنگ (باجوڑ ایجنسی) پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں جن علماء کرام نے حصہ لیا ان میں قاضی امیر سعید باجوڑی المعروف بہ قاضی صاحب دونخشا (متوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء) مولانا عبداللہ غزغشتوی مرحوم اور مولانا محمد یوسف غزغشتوی مرحوم کے نام قابل ذکر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی علمی تشنگی ابھی باقی تھی یہی وجہ ہے کہ مزید تحصیل کی خاطر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔

۵ شوال ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲-۲۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (متوفی ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) صدر مہتمم اور مولانا حافظ محمد احمد (متوفی ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء) نائب مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے جب کہ حضرت انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) بحیثیت [illegible] تشنگان علم کو سیراب کرنے میں مصروف تھے۔

۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے ساتھ بعض عارضی اختلافات کے باعث اکثر مشائخ دیوبند جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اس واقعہ کے بعد مولانا احمد حلیم صاحب تقریباً سو دیگر رفقاء کے ساتھ ڈابھیل روانہ ہوگئے۔ مولانا محمد یوسف بنوری (متوفی ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء) اور مولانا فضل الرحمٰن (متوفی ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) کے بھتیجے مولانا سیف الرحمٰن (متوفی ۱۳۶۹ھ) بھی اس قافلہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔

صاحبزادہ ولی بابا کے خلفاء میں سے صرف "مجذوب بابا" کا نام معلوم ہوسکا ہے جو ہزارناؤ کے کوکوزئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا مزار پارچاؤ سے تقریباً تین میل دور دریائے کابل کے مغربی کنارے پر واقع ہے اور آپ کی اولاد ریگا اور پارچاؤ (علاقہ مہمند) میں آباد ہے۔

(مولوی احمد حلیم صاحب کے شجرہ نسب قلمی اور اسے رپورٹ آن دی مہمند اذ مرک (انگریزی) ۱۸۹۹ء سے ملخصاً ماخوذ ہے)

ڈابھیل پہنچ کر جامعہ اسلامیہ میں داخل ہوئے وہاں پر جن اساتذہ کرام کے انوار و فیوضات سے آپ فیض یاب ہوئے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء)۔ ۲۔ حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء)۔ ۳۔ حضرت مولانا اعزاز علی (متوفی ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء)۔ ۴۔ حضرت مولانا بدر عالم (متوفی ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء)۔ ۵۔ حضرت مولانا ابراہیم (متوفی ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء)۔ ۶۔ حضرت مولانا رسول خان (متوفی ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء)۔ ۷۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن (متوفی ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء)۔ ۸۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن (متوفی ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء)۔ ۹۔ حضرت مولانا محمد ادریس (متوفی ۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء)۔ ۱۰۔ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی مدظلہ ۱۱۔ حضرت مولانا سراج احمد۔ ۱۲۔ حضرت مولانا عبد الجبار

آپ ۱۱ر شعبان ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء کو علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر وطن مالوف (باجوڑ) واپس آئے۔ اس زمانے میں خان زندہ در خان[1] آف کوٹکی کا دور دورہ تھا۔ خان مذکور کو جب مولانا صاحب کی اطلاع ہوئی تو ان کو بلا کر ان سے اپنے گاؤں کوٹکی میں درس تدریس کا کام شروع کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے خان صاحب کی یہ مخلصانہ پیش کش قبول کرتے ہوئے ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء میں اس کار خیر کا آغاز کیا۔

زندہ در خان کی وفات کے بعد ان کے خلف الصدق دلاور خان جانشین مقرر ہوئے جو اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم و علماء کی سرپرستی جاری رکھی۔ مولانا صاحب پاس دور دور سے طلباء آتے اور ہر وقت آپ کے گرد ہجوم رہتا۔ تقریباً ۵۰ برس تک طالبان حق آپ کے چشمہ علم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ مولانا صاحب ان دنوں اپنی ضعیف العمری کی بنا پر درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے سے قاصر ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنے گاؤں شریف خانہ میں رہائش پذیر ہو کر ذکر و فکر میں ایام زندگی گذار رہے ہیں۔

---

[2] دلاور خان سچے مسلمان اور بہادر مجاہد تھے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد میں مجاہدین کے مددگار رہے جس کے نتیجے میں ۱۹۳۳ء میں کوٹکی پر انگریزوں نے بمباری کی اور کافی مالی نقصان پہنچایا۔ تحریک مجاہدین میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور اکثر محاذوں پر خود مجاہدانہ شریک ہوئے۔ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء کو وفات پائی۔

[1] آپ کا نام زندہ در خان اور والد کا نام سرکند خان تھا افغان قبیلہ ترکانی کی شاخ ابراہیم خیل سے تعلق رکھتے تھے علم و علماء کے قدردان شجاع و بہادر غیور پٹھان اور جانباز مجاہد تھے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف مجاہدین کی نہ صرف ہر وقت مالی اور اخلاقی مدد کرتے رہے۔ بلکہ مختلف محاذوں پر خود شریک جہاد ہو کر سعادت دارین حاصل کی۔ آپ ۱۰ر شعبان ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء کو فوت ہوئے۔ اور موضع کوٹکی میں مدفون ہیں۔

علمی مقام | مولانا احمد حلیم صاحب ایک عالم و فاضل شخصیت ہیں اور تمام مروجہ دینی علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ریاضی، فلسفہ، ادب اور علم میراث وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔

سلوک و طریقت | سلوک و تصوف کے مروجہ طرق میں سے آپ طریقۂ قادریہ سے زیادہ متاثر ہیں۔ اور جس طرح کہ آپ دیگر علمی مسائل میں مولانا محمد عبدالخالق باجوڑی مدظلہ کے ہم خیال و ہم نوا ہیں۔ اسی طرح سلوک و طریقت کے باب میں بھی آپ مولانا موصوف کے ہم سفر و ہم رکاب نظر آتے ہیں۔

تحریک اصلاح معاشرہ | درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے لوگوں کے عقائد و اصلاح کی طرف پوری پوری توجہ دی۔ مروجہ رسومات اور بدعات کی شدید مخالفت کی۔ اور دلائل و براہین کے ذریعے ان کو قائل کرنے کی سعی جمیل فرمائی۔ گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم یہ دعوای کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مولانا موصوف کافی حد تک اپنی مخلصانہ جد و جہد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

انگریزوں کے خلاف تحریک جہاد اور تحریک شیخ الہند سے وابستگی | آپ شیخ الہند (متوفی ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء) کے آغاز کردہ تحریک کے ساتھ وابستہ تھے اور مجاہدین کی ہر ممکن مدد و اعانت کرتے رہے۔

۱۹۳۰ء میں جب انگریزوں نے قصہ خوانی بازار میں گولیاں چلا کر بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ تو اس واقعہ سے قبائل میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور ایک نئے عزم کے ساتھ مختلف محاذوں پر انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوئے۔ تو اس موقعہ پر بھی مولانا احمد حلیم صاحب، عبدالرحمٰن مرحوم[1] المعروف بہ جرمنی استاد کے ہمراہ لیکنڈی کے محاذ پر جہاد میں شریک رہے۔

---

[1] عبدالرحمٰن مرحوم نسباً مغل تھے۔ جرمنی میں کچھ عرصہ قیام کیا اس لئے "جرمنی استاد" کے نام سے مشہور تھے۔ اصلاً موضع شیوہ تحصیل صوابی کے رہنے والے تھے۔ مشن سکول سے مڈل کا امتحان پاس کر کے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر سرکاری نوکری چھوڑ کر امریکہ چلے گئے۔ کیلیفورنیا میں چند دوسرے پٹھان رفقاء کے ساتھ کاروبار کرتے رہے۔ وہاں قیام کے دوران "غدر پارٹی" میں شمولیت اختیار کی۔ پھر جرمنی چلے گئے۔ اور وہاں سے ۱۹۱۴ء میں افغانستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ترک جرمن وفد کے ساتھ افغانستان آئے۔ ان دنوں مجاہدین کا مرکز چمرکنڈ (باجوڑ) میں قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے ایک دوسرے ساتھی عبدالسبحان آف مینی (صوابی) کے ہمراہ باجوڑ آئے۔ بنیر میں مجاہدین کے مرکز سمس کا بھی دورہ کیا۔ یاغستان میں قیام کے دوران مجاہدین کو فوجی تربیت دیتے رہے۔ خود بھی مختلف محاذوں پر جہاد میں شریک ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور کوٹکی، علاقہ چارمنگ (باجوڑ) کے مقبرہ میں بمقام درواز گئی جوسر سپرد خاک کر دیئے گئے۔

عادات و اخلاق | آپ نہایت منکسر المزاج، سادگی پسند، حق گو، حق پرست اور متقی انسان ہیں۔ عمر گراں مایہ، درس و تدریس۔ اصلاح عقائد، رد بدعت اور عبادت میں صرف کی۔ ہمیشہ دل میں یہی خواہش موجزن رہی کہ مخلوق خدا صراط مستقیم پر گامزن ہو کر خالق حقیقی کی سچی بندگی اختیار کریں۔

اولاد | مولانا احمد علیم صاحب اس لحاظ سے بھی بڑے خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علم دین کے دولت بے بدل کے ساتھ ساتھ نیک اولاد کی نعمت عظمیٰ سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

مولوی غلام قادر صاحب۔ مولوی عبداللہ صاحب۔ محمد طیب صاحب بی اے بی ایڈ اے ڈی آئی ایس باجوڑ ایجنسی اور محمد صالح صاحب۔

آپ کے چند مشہور شاگردوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد شعیب صاحب کوٹی (باجوڑ) فاضل دارالعلوم حقانیہ۔ مرزا محمد گلاب صاحب موضع ترخو۔ باجوڑ قاضی عبیداللہ صاحب خلوزو۔ باجوڑ) مولوی عبدالکریم صاحب کوٹکی۔ باجوڑ۔ مولانا عبدالرحمن مرحوم۔ مولوی عبیداللہ ساکن ساگے۔ انمان زئی۔ مولوی حیات خان مرحوم۔ خونڈو مولوی صاحب کمانگرہ۔ مولوی سیف الرحمن بانڈہ (باجوڑ)

MFTM-5-77

Asiatic

از امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ

"ترجمان القرآن" مولانا ابوالکلام آزادؒ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ دل نے چاہا کہ یہ اقتباس آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو "الحق" میں شائع فرمادیں۔ اسلامی قوانین کی تدوین کی حاضرہ کی کاوش میں شاید مہمیز کا کام دے سکے۔

(ڈاکٹر شیر بہادر خان صاحب پنّی)

سورہ توبہ کی تفسیر میں زیر عنوان "شرح اتخذوا اربابا من دون اللہ" تحریر فرماتے ہیں۔

سادہ ،یا ۔ دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے۔ اور ان کی ساری باتوں نے تقدیس کا جامہ پہن لیا کیونکہ جب انہیں اپنے پیروؤں کے لئے حکم و تشریح کی غیر مشروط طاقت مل گئی۔ یک قلم غیر مسئول ہو گئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرائیں کم ہے۔

یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنۂ وسطی کے نام سے پکارتے ہیں بلکہ اس عہد کی بھی جو نشأۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ تمہیں ان نتائج کی ساری نظریں اور مثالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی۔ صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسل "تاریخ" میں دیکھ لی جائے۔ اس کے لئے کفایت کرے گی۔

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی عیسائی دنیا طیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی۔ بالآخر اس سے اعراض نہ کر سکی اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ تخم ریزی برگ و بار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے۔ اور بالآخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی۔ لوتھر اور کلیسا میں بنا ر نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لئے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے یا اس لئے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتداء نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی یعنی نجات کا دار و مدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سند مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف بہ حرف اسی صدائے بر حق کی بازگشت تھی

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون اللہ۔

آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا۔ یہ سچ ہے۔ لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اسی دن پڑی تھی جس دن اللہ کے رسولؐ نے نجران کے بشپ کو یہ دعوت دی تھی

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ (۳ : ۶۴) اور پھر اس دن جس دن سورہ برأت کی یہ آیت نازل ہوئی (فٹ نوٹ۔ لوتھر پر پوپ کی طرف سے جو الزام لگائے گئے تھے۔ ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ قرآن کے مطالعہ سے اس کی یہ گمراہی پیدا ہوئی۔ ایڈورڈ ہسٹری آف دی رفارم۔ باب سوم)

اگر چھٹی صدی کے عیسائی جہل و تعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا تو یہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں، جن کی وحشت انگیز سرگذشتیں تاریخ کو قلم بند کرنی پڑیں۔ اور ازمنہ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں۔ اور یقینًا یورپ کے علم و عقلیت کی تاریخ چودہویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی۔ یہ سرگذشت تو عیسائی دنیا کی ہے، جسے اس دعوت حق نے مخاطب کیا تھا۔ لیکن خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے نہ بچ سکے اور انہوں نے تشریع دینی کا حق کتاب و سنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالے کر دیا۔ اعتقادًا نہیں عملًا۔ اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے۔ نہ کہ اعتقاد کا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی۔ اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے ان کو دور کر دیا۔ حتی کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مضمحل ہو رہی ہے کیونکہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔

دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عملدرآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کر لئے گئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے اور کوئی نہیں جو انہیں یہ بتائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے۔ اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانے کے لئے بھی ویسے ہی اصلح و اوفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لئے مل چکے ہیں۔ فیا للہ وللمسلمین من ھذہ الفاقرة التی ھی اعظم فواقر الدین و الرزیئة التی ما رزی بمثلھا سبیل المومنین۔

افکار و اخبار

قارئین

غرقِ فرعون | پیرس ۵ ربیع الانور ۱۴۰۳ھ۔ مخدوم و محترم زاد فیضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ یہ دیکھ کر حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ "الحق" کا علمی معیار روز بروز بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس میں ناظرین کے ہر طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی کی چیزیں مل جاتی ہیں۔

فرعون کے مقام غرقابی کے متعلق جواب ہی نہیں جواب الجواب بھی ہو چکا ہے۔ اگر آپ کے اصول اجازت دیتے ہوں تو دو ایک لفظ مزید عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

محترم ایڈوکیٹ صاحب نے قرآن مجید کی وہ ساری آیتیں نقل فرمائیں جن میں فرعون کے ڈوب مرنے کا ذکر ہے۔ لیکن کیا انہوں نے غور فرمایا کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہ سمندر نے فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینکا۔ یہ دعویٰ ہے جس کا ثبوت چاہئے۔

ممدوح نے آیات کے نقل کرنے میں سورہ طٰہٰ سے سکوت برتا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا کہ

۱۔ فاقذفیہ فی الیم (اسے موسیٰ کی ماں اس بچے کو "یم" میں پھینک دے۔ سورہ ۲۰۔ آیت ۳۹) (۲) اور فغشیھم من الیم ما غشیھم (فرعون اور اس کی فوجوں کو "یم" نے جیسا ڈھانکنا تھا ڈھانک لیا، سورہ ۲۰ آیت ۷۸)

ایک ہی لفظ "یم" دونوں جگہ ہے۔ کیا حضرت موسیٰ کو ان کی ماں نے بحر احمر میں پھینکا تھا؟

شاید الحق کے ناظرین کو یہ معلوم کرکے دلچسپی ہوگی۔ عبرانی توراۃ میں بھی دونوں جگہ "سوپ یام" کا لفظ ہے۔ "یام" وہی لفظ ہے جو عربی میں "یم" بن گیا ہے۔ جب توراۃ کا عبرانی سے "روح القدس کی نگرانی میں اولیاء اللہ نے لاطینی میں ترجمہ کیا" جیسا کہ کیتھولک عیسائی عقیدہ ہے۔ تو انہوں نے فرعون کے سلسلے میں سوپ یام یعنی بحر القصب (گنے کے جیسی بڑی گھاس کے پانی) کی جگہ "بحر احمر" استعمال کیا۔ اب جدید ترجموں میں، نیز قدیم پروٹسٹنٹ تراجم میں بحر القصب ہی ترجمہ ہوا ہے۔ حقیر و جاہل۔ محمد حمید اللہ

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی تازہ شرائط | عام شروط۔ * امیدوار مسلم اور اچھے اخلاق کا ہو * جامعہ اسلامیہ کے تمام اصول و ضوابط اور دینی حیثیت پر کاربند ہو۔

کالج کے داخلہ کی شروط | امیدوار کی عمر دوران داخلہ ۲۲ سال سے زیادہ نہ ہو۔ امیدوار کی بنیادی تعلیم میٹرک تک ہو۔ کلیۃ القرآن میں داخلہ کے لئے اوپر والی شروط کے علاوہ حافظ قرآن ہونا ضروری ہے۔

معاہد کے داخلہ کی شروط | معہد ثانوی کے لئے امیدوار کی عمر ۱۸ سال تک ہو۔ معہد متوسط کے لیئے امیدوار کی عمر ۱۵ سال تک ہو۔ امیدوار قرآن کریم ناظرہ پڑھنا جانتا ہو۔

علمی سندات داخلہ کے لیئے لازمی طور پر جامعہ کو ارسال کرنی ہیں۔

- ★ آخری سال کی تعلیمی سند ★ نمبروں کی تفصیل کا سرٹیفکیٹ
- ★ کیریکٹر سرٹیفکیٹ ★ عمر کا سرٹیفکیٹ
- ★ طبّی معائنہ کا سرٹیفکیٹ ★ مکمل نام مع ولدیت
- ★ پاسپورٹ سائز کی تین ذاتی تصاویر سائز ۴ + ۶"

نوٹ۔ تمام سندات (سرٹیفکیٹس) جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ ان تمام کو وزارت خارجہ پاکستان اور پاکستان میں سعودی سفارت خانہ سے باضابطہ تصدیق اور عربی ترجمہ کے بعد نائب رئیس جامعہ مدینہ منوّرہ کے نام اس سال آخر شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۱ر جون ۸۳ ۱۹ء تک ارسال کرنی ہیں۔ اس کے بعد کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد جامعہ کی سینٹ امیدواروں کے داخلہ پر غور کرے گی۔

ضروری۔ امیدوار طالب علم کا سلسلہ تعلیم دو سال سے زیادہ منقطع نہ ہو ورنہ درخواست پر غور نہیں کیا جائے گا۔

گذشتہ سال سے غیر ملکی طلبہ کے لیئے کوٹہ کی حد کم کر دی گئی ہے۔ امسال پاکستان کے لئے صرف پندرہ نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر رانا محمد اسحاق۔ ص۔ ب ۲۵۵۸ - مدینہ منوّرہ

عیسائی مشنریوں کی ارتدادی سرگرمیاں | ۲ر جنوری ۱۹۸۳ء اخبار نوائے وقت کے کالم م ش کی ڈائری کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے۔ اس میں آپ بھی یہ خبر بے انتہا دکھ اور افسوس کے ساتھ پڑھیں گے کہ پاکستان میں صرف ایک سال ۱۹۵۸ء میں اڑھائی لاکھ مسلمان عیسائی ہوئے۔ انا للہ الخ اگر عیسائی مشنری اسی طرح مسلمانوں کو عیسائی بناتی رہی تو ہمارا حشر کیا ہو گا۔ اسی طرح مرزائی اور پرویزی منکرین حدیث مسلمانوں کا ایمان لوٹ رہے ہیں۔ اور ہم بالکل بے خبر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ آپس کے فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ برا و اللہ آپس میں اتحاد و اتفاق کی کوشش فرمائیں۔ عوام اور حکومت کو حالات سے باخبر رکھیں اور حکومت سے پرزور مطالبہ کریں کہ ملک پاکستان میں تمام مشنری سکول بند کئے جائیں اگر یہ سکول بند نہ ہوئے تو انجام آپ کے سامنے آرہا ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کی تبلیغ و تحریر پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔ اور تمام غیر مسلموں کے تبلیغی رسالے بند کئے جائیں۔ اگر خدا نخواستہ حکومت کسی وجہ سے مشنری سکول ضرور قائم رکھنا چاہے تو کسی بھی شہر میں ایک سے زائد مشنری سکول نہ ہو اور اس میں کسی بھی مسلمان بچے کا داخلہ قانوناً جرم قرار دیا جائے۔

محمد داؤد۔ جامع مسجد عثمانیہ فیروز والا روڈ۔ گوجرانوالہ

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

تہذیب مغرب کے علمبردار

انساں یا درندے

یورپ اور امریکہ میں بسنے والی سفید اقوام کو اصرار ہے کہ ان کو انسانیت کا ہمدرد اور انسانوں کا غم خوار سمجھا جائے انسان تو انسان ہیں۔ ان نرم دل، نرم خو اور شریف النفس افراد کو ان جانوروں پر بھی رحم آتا ہے جن پر زیادتی کی جاتے ایک بین الاقوامی تنظیم انہوں نے اسی نام پر قائم کی ہے کہ کوئی بے زبان جانوروں کو گزند نہ پہنچائے۔

۱۹۶۷ء میں جب روس نے خلا میں مصنوعی چاند کا تجربہ کیا۔ اس میں یہ تجربہ کرنے کے لئے کہ جاندار مخلوق کتنی دیر زندہ رہ سکتی ہے ایک کتیا پہلے بھیجی تھی جس کا نام انہوں نے لائکہ رکھا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی حقوق حیوان کی تنظیم کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا تھا۔

اسلام سے ان رحم دل افراد کو اسی لئے نفرت ہے کہ یہ اس کے بیرو اس زمانہ میں بھی امن وامان قائم رکھنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنا حکم خداوندی سمجھتے ہیں۔ نسل انسانی کو مسخ کرنے والے جرائم (زنا) پر حد جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل کر دو۔ اس سے دوسرے بے گناہ افراد کی جان بچے گی۔ اور ہر آدمی کو پرامن زندگی گذارنے کا موقع ملے گا۔ یورپ اور امریکہ کی ان سفید اقوام کے پیچھے پیچھے یا آگے آگے مشرقی ممالک کے یہودی بھی ہیں۔

پیچھے پیچھے اس لئے کہ اقتدار رکھنے والے حکمرانوں کے یہ وکیل اور ایجنٹ ہیں۔ اور آگے آگے اس لئے کہ پروپیگنڈہ کے وسائل ان کی تحویل میں ہیں۔ ان کو ایک شوشہ مل جائے پھر دیکھئے اس کے کتنے دفتر کے دفتر تیار کر دیتے ہیں۔ اگر ایک رائی مل جائے تو اس سے پربت بنا لیں اور کچھ نہ ملے جب بھی یہ اتنے چابک دست ہیں کہ روشنی کے مینارے کو کال کوٹھڑی ثابت کر سکتے ہیں۔ جگمگانے والے سورج کو اپنے دل سے زیادہ تاریک دکھا سکتے ہیں۔

آیئے ذرا قریب آکر ان کی رحمدلی کی حقیقت کا ایک ہلکا اور سرسری جائزہ لیا جائے۔ ان کے چہرے پر جو تہذیب وثقافت کی گہری نقاب پڑی ہے ذرا تاریخ کی انگلیوں سے اسے سرکایئے اور دیکھئے کہ یہ رحم دل، رحم پرور اور رحم قاری کون ہیں۔

یہ ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے۔ راوی لکھتا ہے۔ راوی بھی کون؟ میرا نہیں۔ ان کا اور خاص الخاص ان کا۔ ان کی گود دل کا ہی پلا ہے۔

ابراہام لنکن (امریکہ کا صدر جس کو ۱۸۶۵ء میں کسی نے ہلاک کر دیا تھا) کا سوانح نگار مسٹر پریامی جارج بلجیم کے بحری بیڑے کا ایک جہاز جس وقت جیمس ٹاؤن کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو معلوم ہوا کہ جہاز کے لئے رسد و خوراک کا سامان ختم ہو چکا ہے۔ کپتانوں کے لئے شراب کی بوتلیں بھی نہیں ہیں۔ دوسری طرف زرِ مبادلہ کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے۔ اہلِ شہر سے جا کر جہاز رانوں نے کہا کہ تم لوگ ہمیں شراب فراہم کرو ہم اس کے بدلے تمہیں ایک کارآمد چیز دیں گے۔

یہ کارآمد مال افریقہ کے سیاہ فام انسان تھے جنہیں سر سے لے کر پاؤں تک لوہے کی جالیوں میں جکڑ رکھا تھا بیس انسانی وجود کا سودا ہوا۔ جہاز کے عملے کو چند بوتلیں شراب کی مل گئیں۔ یہ امریکہ میں غلاموں کی خرید و فروخت کی ابتدا تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک اس صنعت کو جو ترقی ہوئی ان کا حال راوی لکھتا ہے:۔

"افریقہ کے براعظم سے مرد عورتیں اور بچے اس طرح لائے جاتے جس طرح جنگلوں سے بھیڑ اور لومڑیاں لائی جاتی ہیں۔ ان پر طب کے تجربات کئے جاتے تھے۔ ایک تندرست اور زندہ انسان کا گردہ کیسا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا ہوتا تو ایک افریقی کو کھڑے کھڑے چیر دیا جاتا۔

ضرورت پڑی تو سمندر سے گھڑیال کو زندہ پکڑنے کے لئے بحری شکار کے کانٹے میں افریقی انسان کا نوزائیدہ بچہ زندہ حالت میں پھنسا کر سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ جس سے اچھی قسم کی مچھلیاں اور گھڑیال شکار ہوتے۔

کاغذ کی جگہ انسان کی کھال کو استعمال کیا جائے تو کیسا رہے گا۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی چند افریقی باشندوں کی کھال کھینچ لی گئی اور خشک کر کے ان پر دستاویز لکھی گئیں جو آج بھی ہارورڈ یونیورسٹی کی چیپک لائبریری میں موجود ہیں۔

زہر کے اثرات انسانی جسم پر کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ کس زہر سے کتنی دیر میں آدمی مرتا ہے اس کا تجربہ انہی افریقی غلاموں پر کیا گیا۔

سانپ کتنی قسم کے ہیں اور کس سانپ کے کاٹے کا علاج ہے اور کس کا نہیں، اس کا تجربہ بار بار ان ہی سیاہ فام انسانوں پر کیا جاتا رہا"

یہ تو افریقہ کے براعظم سے پکڑے ہوئے انسانوں پر "رحم دل" اقوام کا برتاؤ تھا۔ اور صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی کہانی ہے۔ اس صدی کے شروع میں جب دانشورانِ فرنگ ملایو۔ سوماٹرہ (موجودہ ملیشیا) پر حاکم تھے اس قوم کی دولت خام ربڑ پر قابض تھے۔ ان میں اگر کوئی شخص (اپنی قومی ملکیت میں سے) ربڑ چرا لیتا تو اس کی سزا موت تھی۔ یہاں تک کہ صرف دو گرام ربڑ کے لئے اہلِ وطن کو سرِعام پھانسی دی گئی ہے۔

اور آخر میں ان کے آگے آگے چلنے والے اور پیچھے پیچھے بھاگنے والے یہودی رحم دلوں کا حال سنئے۔

۱۹۴۸ء میں حیفا کے فوجی اڈے پر یہودی جرنلس اور کیپٹنس جمع ہیں۔ شراب اور جوئے کا دور چل رہا ہے۔ ایک منچلے جرنیل کو ایک انوکھی تفریح اور نئے قسم کے جوئے کی سوجھتی ہے عرب قیدیوں میں سے تین حاملہ عورتیں لائی جاتی ہیں۔ فوجی حکام شرط لگاتے ہیں۔

ایک کہتا ہے اس عورت کے شکم میں جو بچہ ہے وہ نر ہے۔

دوسرا کہتا ہے نہیں مادہ ہے۔

اچھا شرط ہو جائے پانچ پانچ ڈالر کی۔ سنگین کی نوک سے اس کا پیٹ چیرا جاتا ہے شرط جیتنے والا پانچ ڈالر لیتا ہے۔ قہقہہ گونجتا ہے —— پھر دوسری عورت لائی جاتی ہے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ تیسری عورت جب لائی جاتی ہے تو یہ بہادر جرنیل فرماتے ہیں ابھی اس کا بچہ اتنا تیار نہیں ہوا کہ نر اور مادہ کا پتہ چل سکے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں تو اسی پر شرط ہو جائے کہ اس نو عمر لڑکی کا حمل کتنا پرورش پا چکا ہے۔

شاید ان تصویروں کے بعد انسانوں کے غم خوار اور انسانیت کے ہمدرد اور جانوروں پر رحم کھانے والے افراد کا اصلی روپ پہچاننے میں آپ کو دیر نہیں لگی ہو گی۔ ان کے پیٹ چیرے دیکھئے اور ان کی جرأت دیکھئے کہ اسلام کے نظام قصاص پر معترض ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسلام نے غلام نہیں غلامی کی پرورش کی INSTITUTION کو باقی رکھا لہٰذا بڑا ظالم مذہب ہے۔

ہاں کتنا ظالم! جو غلام اور آقا کے لئے ایک ہی لفظ "مولیٰ" تجویز کرے! کتنا ظالم! کہ جس کا خلیفہ اور امیر (عمر فاروقؓ) بلال حبشیؓ کو "سیدنا" کہہ کر مخاطب کرے۔ کتنا ظالم کہ عبادت میں غلام و آقا کو شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا حکم دے۔ کتنا ظالم! کہ غلام بنانے کے تمام راستے (سوائے جہاد کے) مسدود کر دے۔ اور آزاد کرنے کے ان گنت طریقے سکھائے۔

بھلا اس کا مقابلہ ان سترھویں صدی اور بیسویں صدی کے مہذب مذاہب سے کیا جا سکتا ہے؟

★ **اللہ تعالیٰ کے لامتناہی احسانات** ۔ معزز حضرات۔ بُری خصلتوں کو چھوڑ دو اور اللہ کا ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو انسان بنایا وہ چاہتا تو گدھا، کتا، بلی، چوہا بنا دیتا۔ مگر اس نے ہمارے تمہارے روح پر فضل کیا اور ہمیں انسان بنایا جو اشرف المخلوقات ہے۔

انتخاب :- ح۔ا۔ف

حاصلِ مطالعہ

ابن الغنم | (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو) عیاض بن غنم عاملِ مصر کی نسبت شکایت پہنچی۔ کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ محمد بن مسلمہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے پہنے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس سا تھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک لباس اتروا دیا اور بالوں کا کُرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ یہ تمہارا آبائی پیشہ ہے اس میں عار کیوں ہے؟

شاہ معین الدین احمد ندوی خلفائے راشدین ص ۱۳۲

سائنس اور مذہب کی حدود | الحاصل جب سائنس کا سارا زور مشاہدات اور محسوسات پر ختم ہو جاتا ہے تو خود اندازہ کرو کہ جن سوالات پر مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً عالم کا نقطۂ آغاز کیا ہے۔ جیسا کہ ہکسلے نے کہا تھا کہ سائنس کا قدم آغاز اشیاء کی جانب چند قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تو پھر آخری نقطہ تک اس کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس سچ یہ ہے کہ سائنس جہاں اپنی تحقیقات ختم کر دیتی ہے مذہب وہیں سے اپنا درس شروع کرتا ہے۔ سائنس صرف عالم شہادت (عالم محسوس کے چند واقعاتِ محسوسہ کو کلیات کی شکل میں پیش کر کے اپنے بازو ڈال دیتی ہے۔ محسوسات کے آگے قدم رکھتے ہی اس پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آگے کیا ہے؟ اور مذہب انسان کا یہیں سے ہاتھ پکڑتا ہے۔ اور غیب (عالم غیر محسوس) کے سارے اسرار کو اس کے سامنے بے نقاب کرتا چلا جاتا ہے۔ سائنس کچھ نہیں بتا سکتی کہ دنیا کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ مذہب آتا ہے اور اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے۔ انسان مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ اور اس پر کیا گذرتی ہے۔ سائنس اس کے جواب سے قاصر ہے اور مذہب اس کی تفصیل پیش کرتا ہے دنیا کا آخری انجام کیا ہو گا؟ سائنس متحیر ہے۔ کہ اس کا کیا جواب دے۔ مذہب آتا ہے اور اس حیرت کو مٹا دیتا ہے۔

(مولانا مناظر احسن گیلانی۔ الدین القیم ص ۲۶)

بصد خون برابر است | ایک دفعہ دربار جہانگیری میں امیر الامراء کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق یک زندہ کردن تو بصد خوں برابر است

جہانگیر کے اشارے پر سب نے اس پر غزلیں لکھیں۔ جہانگیر نے ملا احمد مہر کن کا شعر پسند کیا۔ چنانچہ یہ تمام واقعہ خود تزک میں لکھا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

"بتقریب ایں بیت امیر الامرا خواندہ شد ع بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق

چوں طبع من موزوں است گاہے باختیار و گاہے بے اختیار مصرعے و رباعی یا بیتے در خاطرم سر میزند ایں بیت بر زبان گذشت۔

از من متاب رخ کہ بے تو نیم یک نفس یک دل شکستن تو بصد خوں برابر است

چوں خواندہ شد، ہر کس کہ طبع نظم داشت دریں زمین بیتے گفتہ گزرانید۔ علی احمد مہر کن کہ احوال او پیش ازیں گذشت بدیہۃً گفتہ بود۔

اے محتسب ز گریہ پیر مغاں بترس یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

مولانا شبلی نعمانی۔ شعر العجم ج ۳۔ ص۱

راقم نے بھی اس شعر پر تک بندی کی ہے بطور ادبی لطیفہ کے یہاں نقل کرنا بے جا نہ ہو گا۔ ؎

گلچیں بترس ز آہِ عندلیب ناتواں یک گل شکستن تو بصد خوں برابر است

اسلام اور قرآن | اسلام علیم و خبیر اور سمیع و بصیر رب العلمین جل ذکرہ کی طرف سے نازل کردہ دین ہے۔ چند حکماء وعقلاء کی ذہنی ادراک کا نتیجہ نہیں۔ نہ قانون ساز اداروں یا قوم کے چند نمائندوں کی دماغی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ یہ اس علیم و خبیر کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا ظہور ہے۔ جو ہر دور ہر زمانہ ہر قوم اور ہر ملک کے انسانوں کا خالق ہے جو پوری انسانیت کی حقیقی امراض سے باخبر اس کی واقعی ضروریات سے واقف اور اس کی دقیق نفسیات کا رازداں ہے۔

قرآن اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے۔ جسے عنوانات پر مرتب کیا گیا ہو۔ لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دئے گئے ہیں۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آئے ہیں۔ خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاء امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے۔ کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔ سید محمد یوسف بنوری۔ بینات

دوٹوک فیصلہ | آج ہمیں دوٹوک فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اگر ہمیں ایک باحمیت، باغیرت باضمیر اور بامقصد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے۔ ملک کو داخلی سازشوں اور استعماری یورشوں سے بچانا ہے۔ تو ہمیں نئے عزم نئے یقین پورے اخلاص و ایمانداری سے اسلام قبول کرنا اور اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کا نئے سرے سے عہد کرنا ہوگا۔ ورنہ اگر ہماری بدعملی نفاق دورنگی اور سیاست کا رنگ ڈھنگ یہی رہا تو ہمیں اس سے

بھی زیادہ خطرات پیش آسکتے ہیں (حوالہ بالا)

حاصل ہر سعی | ہم طلب و کوشش کے مکلف ہیں۔ وصول کے نہیں۔ اس لئے سالک کے لئے ہمت کرکے کوشش کرلینا ہی کافی ہے۔ اس راستے میں ہر قدم راہ بھی ہے اور منزل بھی۔ ذریعہ بھی ہے اور مقصد بھی۔ یعنی اپنی ہمت و کوشش سے رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہے۔ اور اس راستے میں جتنی گھاٹیاں آئیں گی۔ وہ وصول کا ہی حکم رکھیں گی۔ کیونکہ سالک کا کام صرف محنت اور جستجو ہے۔ حضرت والا (سید سلیمان ندویؒ) فرماتے ہیں۔

جد و جہد دہر میں ہے ذوق شوق و لطف و دید عاصل ہر سعی میری سعی لا حاصل میں ہے

منزلِ مقصود ہے راہِ طلب کا ہر قدم وہ سر منزل ہے جو اب تک رہِ منزل میں ہے

مولانا محمد اشرف خان صاحب سلوک سلیمانی صہ ۱۴۶

نئے دور کا چیلنج اور اسلام | یہاں ہم اتنا مزید عرض کئے دیتے ہیں کہ اس وقت مادیت اور ظاہر پرستی کے چیلنج کو صرف اسلام ہی قبول کرسکتا ہے۔ جس میں طلب معاش، حصول رزق اور کسب حلال کی گنجائش تو ہے۔ مگر خدا فروشی کی نہیں۔ جہانبانی اور جہانگیری ہے مگر ظلم و استبداد نہیں۔ حصول منفعت کا حق ہے مگر حق تلفی اور خود غرضی کا نہیں۔ دشمن سے مقابلہ ہے مگر عیاری نہیں۔ دنیا ہے مگر دین سے بغاوت نہیں۔ ربانیت ہے مگر رہبانیت نہیں۔ علم و معرفت ہے مگر جمود و تعصب نہیں۔ نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوزی ہے مگر اباحیت اور انارکی نہیں۔ عیسائیت تو اس وقت دم توڑ چکی تھی۔ جب کہ خدا نے انسانی ہدایت کے لئے آخری روشنی بھیجی۔ قرون وسطی کا غیر متمدن اور بیسویں صدی کا ترقی یافتہ یورپ تو علم و تحقیق کے نام پر کتب مقدسہ میں الحاق و تحریف اور دشمن فطرت خود ساختہ مسیحی اصول کے ذریعہ اس تابوت میں آخری کیل ٹھونک چکا ہے۔ مسیحیت، دین و مذہب اور علم اور معرفت کے ہر معرکہ میں شکست کھا چکی ہے۔ تو مادیت کے میدان میں کیا سنبھل سکے گی؟

عصر حاضر کی انسانیت آج جس خلا کا شکار ہے یہ خلا صرف اور صرف اسلام ہی سے پُر ہو سکتا ہے کہ موجودہ بے چینی، اضطراب، درد و تڑپ پریشانی اور تشنگی کا مداوا صرف اسلام ہی ہے۔

(مولانا سمیع الحق۔ اسلام اور عصر حاضر صفحہ ۳۶)

مولانا عبدالقیوم حقانی

دارالعلوم کے شب و روز

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا انتقال ۶ رجنوری بروز جمعرات، دارالعلوم حقانیہ کے استاذ حدیث اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے قدیم رفیق مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی کا انتقال ہوا۔ جس کی تفصیل پچھلے پرچہ کے اداریہ میں آچکی ہے۔ ان کی وفات کی خبر دارالعلوم حقانیہ اور پورے علاقہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ دارالعلوم حقانیہ سے اساتذہ اور طلباء بسوں اور کاروں کے ذریعہ زروبی تحصیل صوابی روانہ ہوئے۔ دور دراز سے ہزاروں عقیدت مند اہل علم وفضل، متعلقین اور عام مسلمانوں کا ایک سیلاب تھا جو اس گاؤں کی جانب اُمڈ پڑا۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھائی۔ اور بعد از نماز مرحوم کے مناقب علمی انہاک اور پاکیزہ زندگی اور ان کی ولولہ انگیز جرأت وشجاعت کو خراج تحسین پیش کیا۔

تدفین کے بعد جناب مدیر الحق نے اپنے خطاب میں حضرت صدر صاحب مرحوم کی دارالعلوم سے تا زیست وابستگی کو سراہا۔ اور پسماندگان کو صبر کی تلقین کی۔ دوسرے روز دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء نے خطاب کیا۔ اس روز دارالعلوم کے تمام شعبوں میں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی رہی اور عام تعطیل رہی۔

افغان مجاہدین کی تعزیت کے لئے آمد افغان مجاہدین کی کئی اہم جماعتوں کی مرکزی قیادت اور ذمہ دار افراد پر مشتمل وفود مولانا عبدالحلیم مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں دارالعلوم تشریف لائے۔ ان وفود میں مشائخ، علماء اور کئی حقانیہ کے فضلاء بھی شامل تھے۔ دفتر اہتمام میں ان کی ضیافت ہوئی۔ جہاد افغانستان اور موجودہ صورت حال سے متعلق حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ان وفود نے تبادلہ خیال کیا۔ اور اہم امور میں مشورے دئے اور دعائیں لیں۔ وفود قائدین نے اظہار خیال کے دوران جہاد افغانستان میں دارالعلوم حقانیہ کے مجاہد فضلاء کے کردار کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی ملک کے بے شمار اہل علم فضلاء اور اہل درد مسلمان تعزیت کے لئے تشریف لائے اور تعزیتی پیغامات بھی بھیجے۔

مولانا عبیداللہ انور صاحب کی آمد ۲۶ر دسمبر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب لاہوری اور مولانا محمد اجمل خان

دارالعلوم تشریف لائے۔ پہلے سے دارالعلوم کو وہ اپنی آمد کی اطلاع دے چکے تھے اس لئے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم حد درجہ اشتیاق سے ان کی آمد کے منتظر تھے۔ ان کی تشریف آوری پر دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبا نے ان کا زبردست، اور پرجوش استقبال کیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اور حضرت لاہوریؒ کا دارالعلوم حقانیہ سے خصوصی سرپرستانہ تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک مرتبہ حضرت لاہوریؒ نے اپنی ایک خاص مجلس میں فرمایا تھا کہ مجھے حضرت مدنیؒ کا پیغام ملا ہے کہ میں دارالعلوم حقانیہ کا ہر طرح خیال رکھوں اور وہاں کے جلسہ کی دعوت بھی قبول کروں اس لئے کہ میں دارالعلوم حقانیہ کو دارالعلوم دیوبند سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد مولانا قاری محمد اجمل خان نے اپنے ولولہ انگیز خطاب سے سب کو محظوظ کیا۔ مولانا عبیداللہ انور صاحب نے اپنی پراثر تقریر میں تحصیل علم کی ترغیب، مقام علوم نبوت اور طلبا کو ان کی موجودہ اور آئندہ ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ اس کے بعد دفتر اہتمام میں معزز مہمانوں کی ضیافت ہوئی۔ آغاز تقریب میں مولانا سمیع الحق صاحب نے معزز مہمانوں کا پرجوش کلمات سے خیر مقدم کیا۔

<u>مولانا مفتی محمد فرید صاحب کو صدمہ</u> ۶ ربیع الاول دارالعلوم حقانیہ کے استاد حدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ بڑی تعداد میں ان کے گاؤں زروبی پہنچے۔ اور جنازہ میں شرکت کی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحومہ نہایت صالحہ بزرگ معمر خاتون تھیں۔ حضرت مفتی صاحب سے ملک، و بیرون ملک بے شمار افراد نے اظہار تعزیت کیا۔ جس پر موصوف نے تمام حضرات کا دلی شکریہ ادا کیا ہے۔

<u>وفیات</u> • تعزیت۔ ہمارے محبین مخلصین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب۔ حضرت مولانا حافظ محمد نسیم صاحب فضلائے حقانیہ و صاحبزادگان حضرت علامہ قاضی عبدالکریم کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان کی نانی طویل علالت کے بعد واصل بحق ہوئیں ۔۔ اسی طرح علاقہ چھچھ کے بقیۃ السلف عالم حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب حیدر کی صاحبزادی صاحبہ مختصر علالت کے بعد اچانک انتقال فرماگئیں۔ ادارہ الحق اور دارالعلوم سب متعلقین سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے قارئین سے دعا کی اپیل کرتا ہے۔

• گوجرانوالہ کے حضرت مولانا عبدالواحد صاحب ایک مجاہد غیور اور درویش صفت عالم دین تھے۔ ان کی وفات سے ملت ایک ہمدرد و غم گسار ملک و ملت سے محروم ہوگئی ہے۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

• جناب مدیر الحق کے ایک قریبی عزیز جناب خواجہ غلام فرید صاحب پٹ ورکھی بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں قارئین رفع درجات کی دعا فرمائیں۔

GL. CREST

GRANT OF COMMISSION IN
CORPS OF ELECTRICAL AND MECHANICAL
ENGINEERING (ARMY)

THROUGH

'E' CADET SCHEME

Preliminary selection of candidates will also be made at Army Selection and Recruitment Centres, Karachi and Quetta from 10 to 1967. For other details refer to advertizement published in the newspapers dated 27 December 19[illegible].

PID/Islamabad.

ٹنڈر نوٹس

ٹاؤن کمیٹی انڈسٹریل ایریا آمانگڑھ کو درج ذیل کام کے لئے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹنڈر مورخہ ۲/۳ ۶ سے قبل زیر دستخطی کو پہنچ جانے چاہئیں۔ جو کہ اسی دن ۱۲ بجے کھولے جائیں گے۔

زیر دستخطی کو اختیار حاصل ہے کہ کوئی وجہ بتائے بغیر کسی ٹنڈر کو منسوخ یا مسترد کر دے۔

تفصیل کام	تخمینہ لاگت	زر بیعانہ	تکمیلی میعاد
۱۔ فراہمی و فکسنگ جی۔ آئی پائپ برائے توسیع واٹر سپلائی پائپ لائن در خوشحال کالونی و بجلی گھر کورونہ آمانگڑھ	1,48,300/= روپے	2986/= روپے	۲ ماہ

تخمینہ لاگت کسی بھی یوم کار دفتر ٹاؤن کمیٹی میں سب انجینئر صاحب سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے

بحکم
فقیر گل خان
چیئرمین
ٹاؤن کمیٹی آمانگڑھ

المشتہر
ہدایت اللہ خان
سکریٹری
ٹاؤن کمیٹی انڈسٹریل ایریا
آمانگڑھ

INF (P) 179

شراکت کی بنیاد پر اسلامی اصولوں کے مطابق کاروبار شروع کرنیوالا پہلا قومی ادارہ

امانیہ قومی سرمایہ کاری

این آئی ٹی

این آئی ٹی، یونٹوں پر اور بھی بہتر اور ہمیشہ سے بڑھکر منافع پیش کرتا ہے

امانیہ قومی سرمایہ کاری (نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ) جس نے اسلامی طریقہ کار کے مطابق سب سے پہلے شراکت کی بنیاد پر کاروبار کا آغاز کیا تھا، خدا کے فضل و کرم سے اپنے غیر سودی کاروبار کا دوسرا سال بخیر و خوبی مکمل کر لیا ہے۔

- این آئی ٹی نے سال ۸۱ - ۱۹۸۰ء کیلئے ۳۵ء۱ روپے فی یونٹ کی شرح سے منافع کا اعلان کیا ہے۔ یہ منافع این آئی ٹی کی ابتداء سے ابتک دیا جانے والا سب سے زیادہ منافع ہے۔
- ٹرسٹ کو ۸۱ - ۱۹۸۰ء میں ۵ء۱۱۸ ملین روپے کی آمدنی ہوئی جو پچھلے سال کے مقابلہ میں ۴ء۱۵ ملین روپے یا ۱۵ فیصد زیادہ ہے۔
- حصص سے منافع کی آمدنی میں بھی ۲۳ ملین روپے یا ۲۶ فیصد کا اضافہ ہوا۔
- ٹرسٹ کی سرمایہ کاری کی مالیت اصل قیمت کے مطابق ۱۰۰۸ ملین روپے اور موجودہ قیمت کے لحاظ سے ۱۰۶۰ ملین روپے رہی اس طرح اثاثوں کی مالیت میں ۵۲ ملین روپے کا اضافہ ہوا۔
- ۳۵ء۱ روپیہ فی یونٹ کے منافع سے یونٹ پر منافع کی شرح ۹۵ء۱۱ فی صد بنتی ہے جبکہ ۸۲ - ۱۹۸۱ء کے لئے حکومت سے منظور شدہ کم از کم شرح منافع ۴۰ء۱ روپے فی یونٹ سے یونٹ پر شرح منافع ۴۴ء۱۲ فی صد بنے گی۔ یونٹ پر حکومت کی منظور شدہ کم از کم شرح منافع اسلامی نظریاتی کونسل سے توثیق شدہ ہے اور غیر سودی کاروبار کے اصولوں کے مطابق ہے۔

منافع کے علاوہ یونٹ پرٹیکس کی مراعات بھی حاصل رہینگی۔

این آئی ٹی یونٹ خرید کر ملکی خوشحالی کے فروغ میں حصہ لیجیے

این آئی ٹی - امانیہ قومی سرمایہ کاری

نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ لمیٹڈ

کراچی ۲۲۲۰۵۹۰۹ • لاہور ۴۴۴۵۸ ۶۹۱۳۳
راولپنڈی ۶۱۴۴۴ • اسلام آباد ۱۱۶۸۴ • پشاور ۷۳۸۳۸ • کوئٹہ ۷۳۱۰۱
حیدرآباد ۳۱۹۹۳ • ملتان ۷۵۲۱۵ • فیصل آباد ۲۶۸۵۶ میرپور (آزاد کشمیر) ۳۳۴
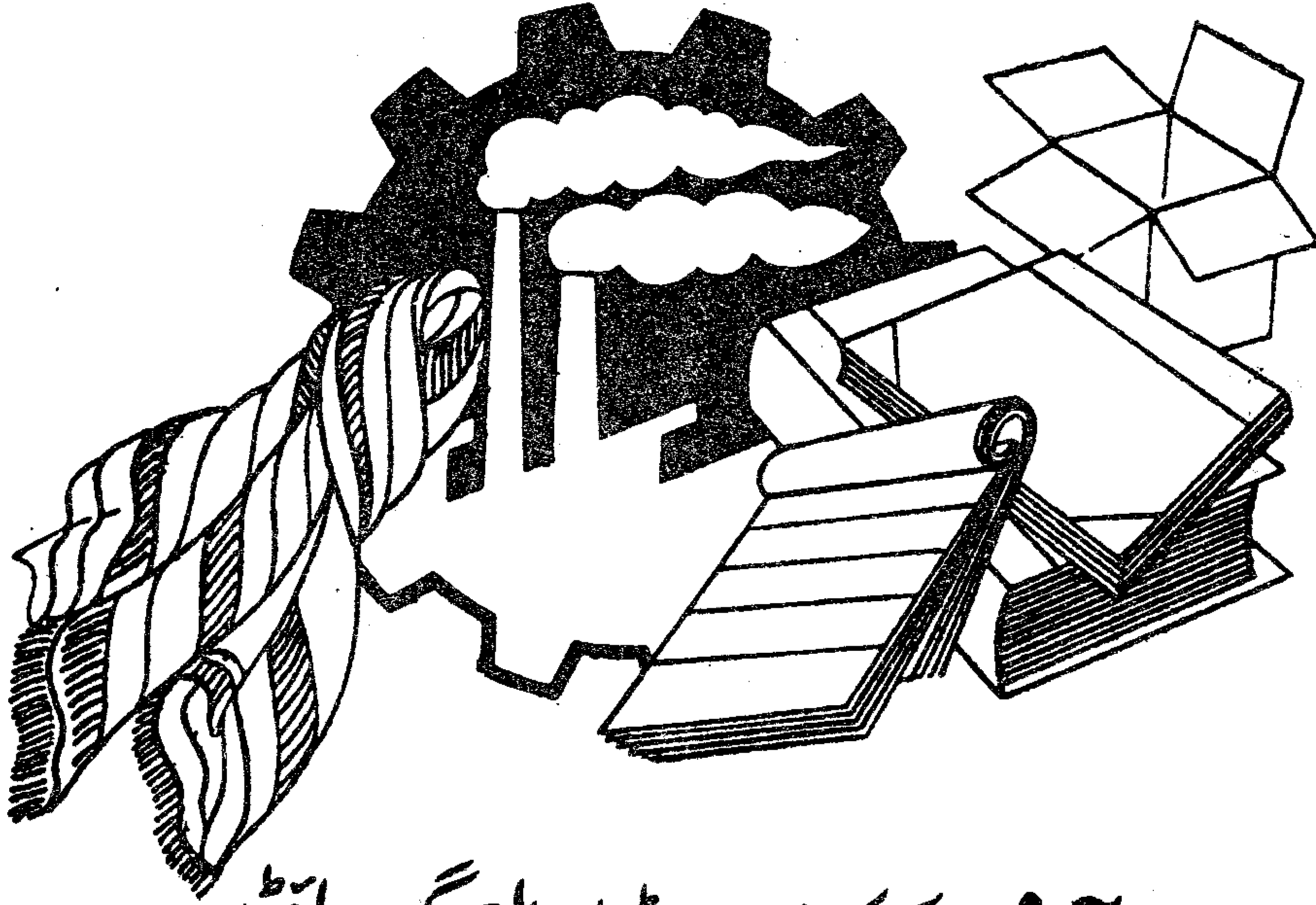
PID : 9/81

United

پاکستان معاشی ترقی اور خوشحالی کے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ اسلامی نظام معیشت کے نفاذ سے قوم میں اب ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ حبیب بینک بھی پورے اعتماد کے ساتھ ملک کے درخشاں مستقبل کے لئے کوشاں ہے۔

نفع ونقصان شراکتی نظام کو عوام میں بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ نظام اُن کو سودی لین دین سے نجات دلاتا ہے اور برابری کی بنیاد پر جدید بینکاری کی سہولتوں سے مستفید ہونے کے بہترین مواقع فراہم کرتا ہے۔ یہ شریعت کے عین مطابق ہے۔

حبیب بینک گذشتہ چالیس سال سے قوم کے اقتصادی تقاضوں اور امنگوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے بینکاری کی خدمت کر رہا ہے اور اس طرح بہتر سے بہتر خدمت انجام دینا اس کا شعار بن چکا ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ
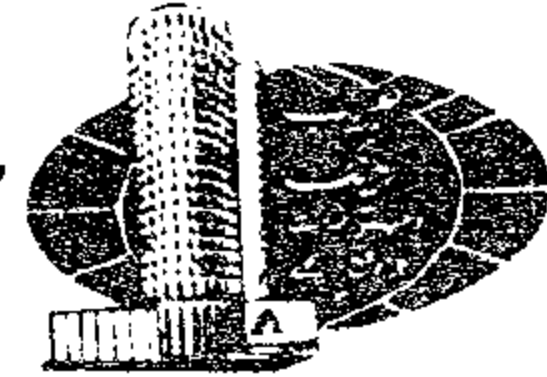
manhatten international

PID (Islamabad)

اسٹیٹ لائف
میدانِ عمل میں
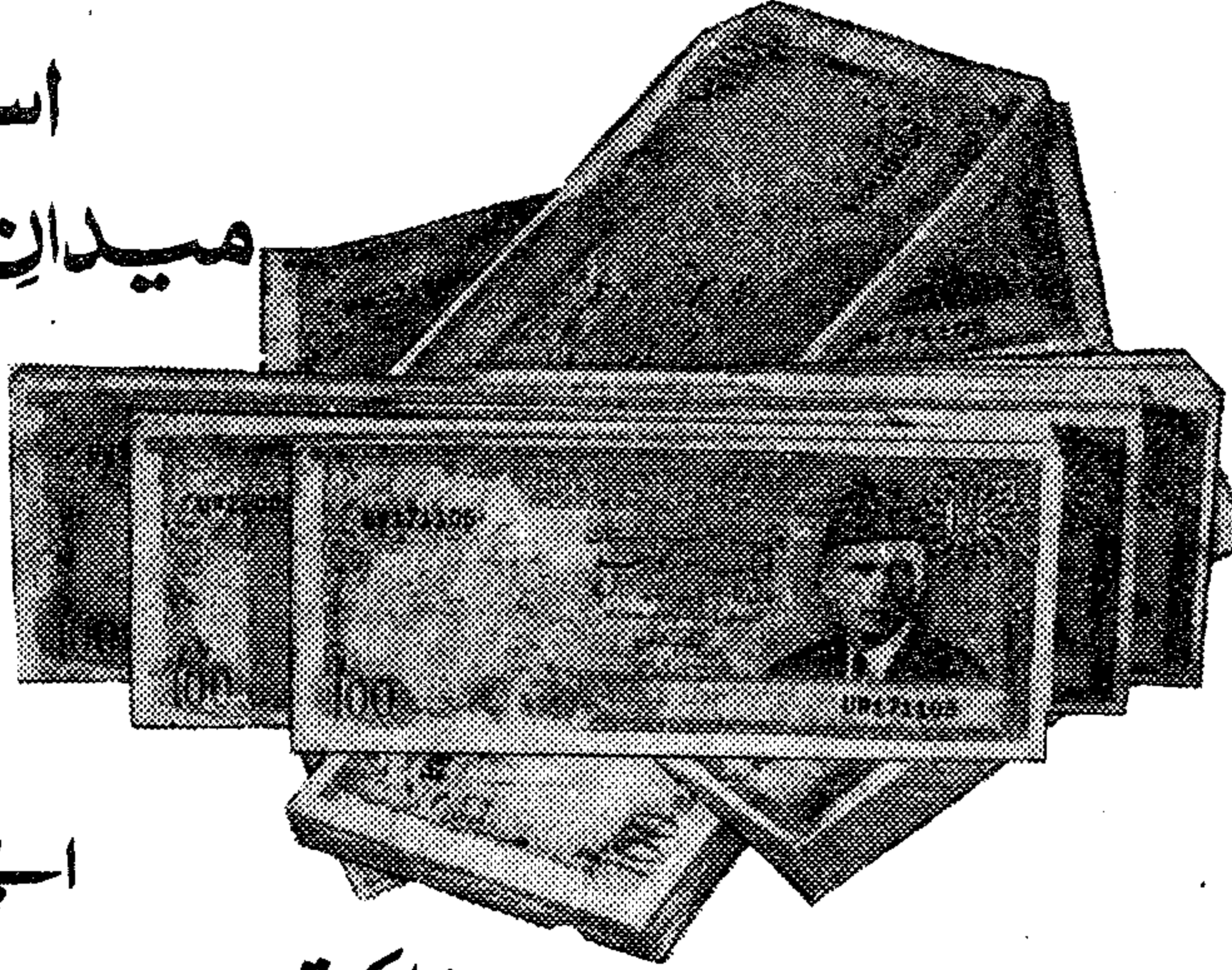
اسٹیٹ لائف
اپنے بیمہ داروں سے
جتنا وصول کرتی ہے اس سے زیادہ تقسیم کرتی ہے

اسٹیٹ لائف کا واحد مقصد افراد اور خاندانوں کو اپنے مستقبل کے تحفّظ کے حصول میں ہر ممکن مدد کرنا ہے۔ ہم تمام خطرات اپنے ذمہ لے کر بیمہ داروں یا ان کے اہلِ خاندان کو وقتِ ضرورت گرانقدر ادائیگی کر کے انہیں مالی استحکام مہیا کرتے ہیں۔
ذیل میں اسٹیٹ لائف کے ادا کردہ کلیم کے مجموعی اعداد و شمار دیئے جا رہے ہیں۔

۱۹۸۱ء میں کلیم کی ادائیگی

عام بیمہ پالیسیاں		گروپ انشورنس
بیمہ دار کی وفات پر ادائیگی	میعاد پوری ہونے پر ادائیگی	کلیم کی ادائیگی
۳۵ء۸ ملین روپے	۱۷۱ء۰ ملین روپے	۱۲۸ء۶ ملین روپے

۱۹۸۱ء میں ادا شدہ کلیم کی کل رقم ۳۳۵ء۴ ملین روپے

اسٹیٹ لائف نے اپنے قیام سے اب تک ۱۷۸۷ ملین روپے سے زائد کے کلیم ادا کئے ہیں۔

UNITED
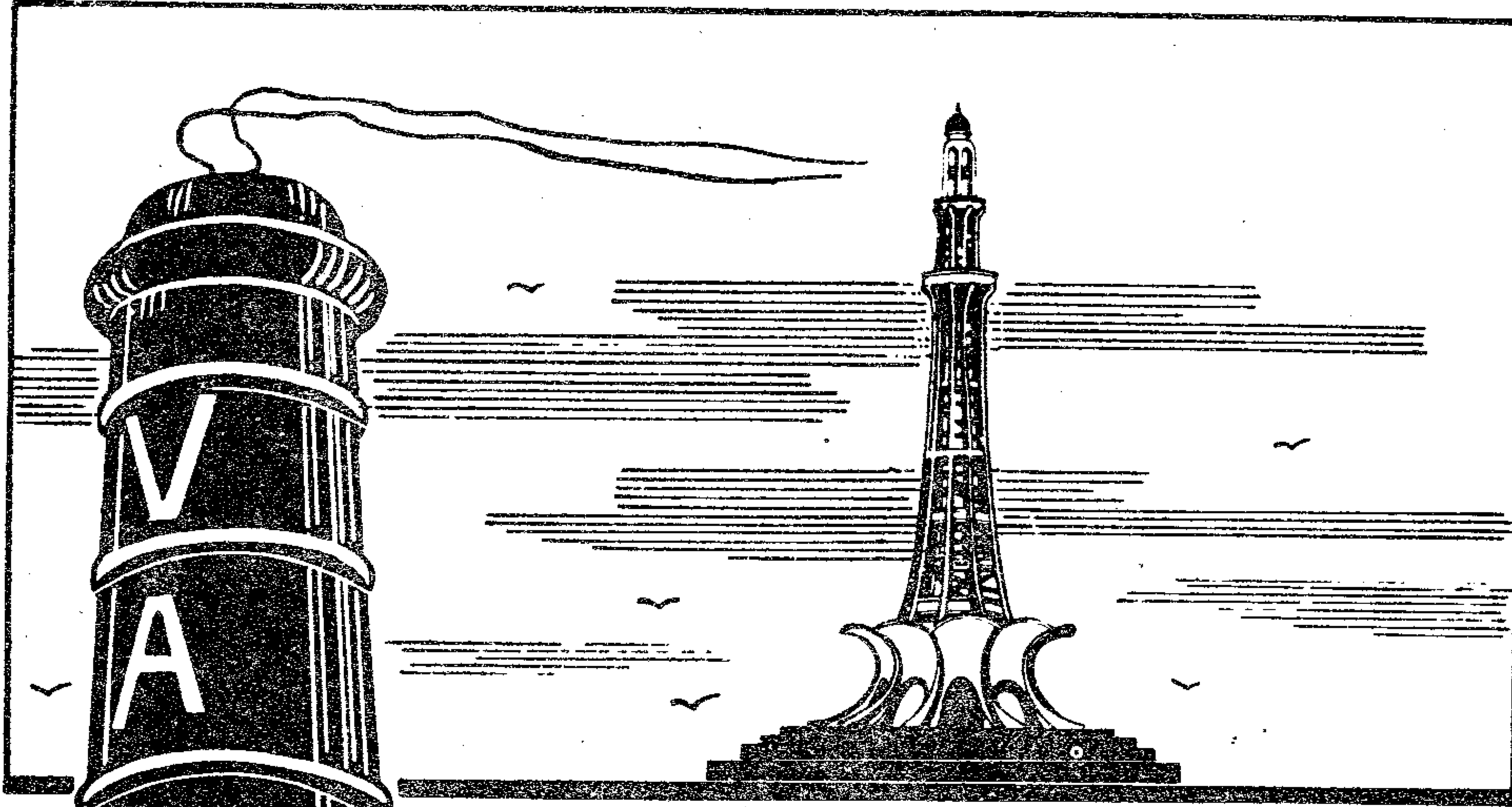
VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں ـــ
VALIKA
ولیکا وولن مِلز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT